

(۹۰)
پیرحسام الدین امیر اکدل کشمیر
دی کشمیر ناول الحنبسی
نام محبت کا جہیز مصنف

ممبر کتاب نمبر ۱۳ قیمت ۵

پروپرائٹ

پیرحسام الدین جنرل مرچنٹ امیر اکدل کشمیر

M

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

७ ५

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بلال جانت مصنف کوئی صاحب طبع کر نیکی تکلیف نہ فرمائے ورنہ سچا فائدہ کے نقطہ نظر سے لکھا

نالہ اس زور سے کیوں میرا فوٹا دیتا
اے فلک تجھ کو بھی اونچا نہ سائی دیتا

شیخ شہر کے لئے ہم ماہ پارہ بن رہے

محبت کا چشمہ (۶۹) ۱۲۸۰

حصہ اول
جس میں

ہجرو وصال کے مضامین اور عشق کے نئے نئے کرشمے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ
تحریر کئے گئے ہیں!

مصنف فشتی شیخ ہدایت منہ حقیر پابلوی

حسب فرمائش

لالہ رام واس بھاٹیہ مالک بھاٹیہ یک ڈپلوفارمی وارہ

گردہ منظم پریس لاہور میں باہتمام لالہ لعل حسن دہلوی نے شائع کیا۔

تصنیف ایم۔ اے مقبول

ناول طلسمی رومال یا پراسرار سایہ

حضرات ناظرین والا تمکین کتاب لاجواب یعنی طلسمی رومال جس میں اول سے
پیر تک نہایت سوز و فراق سے بھرے ہوئے مضمون درج ہیں۔ چھپ گیا ہے۔ جو صاحب
وقت کی رات ٹرپ ٹرپ کر گزرتے ہیں۔ اور معشوقان سنگدل کی تیغ نظر کے
زخمی ہیں ضرور منگوائیں۔ کیونکہ ۵

مدعا پورا ہو اس سے ہر دل بخور کا زخم دل کو ہے یہ پھانا مرہم کا نور کا
جو عشاق ناستد لالہ سینہ چاک مالہ کنناں و در و فراق سے دل تپاں ہیں وہ ۵
دیکھ لیں جلوہ جو اس شعلہ رنگ ٹوکا زخم بھر جائے وہیں بس بچ کے ناسور کا
قیمت ان تمام خوبیوں کے مقابلہ میں معمولی صرف بارہ آنے ۱۲

الٹس یا بیچ جسموں والا آدمی

جنگی دلیر۔ لوہے کے دل والا۔ ڈر۔ نہ جھپکنے والی آنکھ۔ نہ بدلنے والا خیال
زبان کا پکا۔ مچلا جوان۔ آن پر جان دینے والا۔ نا اُمیدوں کی اُمید۔ ڈوہنوں کا سہارا
غریبوں کے لئے فرشتہ رحمت۔ امیروں کے لئے ملک الموت۔ اگر ایک طرف چور ہے
تو دوسری طرف خفیہ پولیس کا افسر۔ کہیں سیاح پوش اور کہیں ڈاکٹر۔ اچکوں کا استاد
شہدوں کا یار غار۔ رستم ثانی۔ حاتم دوراں۔ تاروین زماں۔ ناول نہایت اعلیٰ
پیرے میں لکھا گیا ہے قیمت فی جلد صرف بارہ آنے ۱۲
خوف ناک جاسوس - کیا ہے جس عشق کے کرشمے محبت کی روئے
عاشق جاننا پر سوسو طرح کی بیدار۔ اُمید وصل۔ محرومی وصال۔ عیار سرغریبان کی کار مافی
محل و بلبل کی پریشانی ایک عجیب و غریب پیرے میں لکھائے گئے ہیں قیمت ۱۲
ہنسی کا گول کہا۔ حصہ اول۔ قیمت صرف بارہ آنے ۱۲
لے کا تہ۔ لالہ رام داس بھاٹیہ مالک بھاٹیہ بک ڈپو لاہور می وازہ لاہور

پہلا باب

عشاق نامراد کی برائے کیوں مراد

تینوں احرور تینوں ہی خالی وصال کے

صبح کا کیسا بہانا وقت ہے۔ کہ نسیم سحری مسرت سے پڑھ کر نکلیا
 کرتی ہوئی مساندہ چلی آتی ہے۔ جو لطف اس وقت آرہا ہے۔ کچھ نہ
 پوچھو۔ جس طرف نظر جاتی ہے پڑی ہی رہتی ہے۔ اٹھنے کو دل نہیں کرتا
 اور جب نسیم سحران پھولوں کا بوسہ لیتی ہے۔ تو اس طرح جنبش کرتے
 ہیں جس طرح کسی معشوق کی خفگی سے کسی عاشق زار کا دل ہل جاتا ہے
 کلیوں کے چمکنے کی آواز کسی معشوقہ کے قہقہہ لگانے سے کم نہیں۔
 غرضیکہ یہ چمن ایک بہشت کا نمونہ ہے۔ سامنے کیاری میں جولائے کے
 سُرخ سُرخ پیالے برابر برابر لگے ہیں۔ گویا ایسا معلوم دیتا ہے۔ کہ ایک
 فوج لال وردی پہنے کھڑی ہے۔ نوجوان عاشق مزاجوں کی طرح اُننگیں دکھا
 رہے ہیں یا یوں کہنا زیادہ ہے۔ کہ حسینان چمن سُرخ پوشاک پہنے اپنے جوبن
 کے غڑے میں کھڑے ہیں۔ آفتاب مہتاب کی آمد ہے۔ اور کسی عاشق کے
 جوش محبت کی طرح اٹھتا چلا آتا ہے۔ اور اپنی کردن سے ساری علق کو تماشا
 بنا رہا ہے۔ اور ارق گل پر جو شبہم ابھی دکھا رہی تھی۔ آفتاب مہتاب
 کی آمد سنکر اس بڑکٹی۔ ہم ناظرین کو ایک کوٹھی کی طرف متوجہ کرتے
 ہیں جو نیولائٹ والوں کے خیال کے موافق انگریزی طرز کا بنگلہ بنا ہوا
 ہے۔ اس بنگلہ کی سفید دیواروں پر خوشنما پھول دار بیلین چڑھائی گئی
 تھیں۔ بن میں طرح طرح کے پھول کچھ اور ہی لطف دکھا رہے تھے۔ اور
 انہوں نے بنگلہ کے دروازوں پر بھی اپنا قبضہ جمایا تھا۔ بغور دیکھنے سے
 دروازہ نظر آیا۔ ناظرین اگر ناگوار نہ ہو تو یہ دیکھیں کہ اس بنگلہ میں
 کون کون سا شے رکھتا ہے۔ مگر غیر جگہ بلا اجازت جانے سے دل کو خوف

آہا ہے۔ بہتر ہے۔ کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر جھانکیں دیکھیں۔ کیا ہو رہا ہے
ناظرین اور تو کچھ نظر نہیں آتا۔ البتہ ایک پلنگ بچھا ہوا ہے۔ جس پر
ایک نوجوان بڑا ہوا دل سے ہی باتیں کر رہا ہے۔ وہ دیکھو بڑی مایوسی
اپنے سینہ پر ہاتھ مارا وہ منہ سے آہ نکلی

دل دیدیا ہے تم کو اور جان بھی ہے حاضر
مل کر کہ یار مجھے ہرگز دغا نہ کرنا

افسوس اس کا بار بار کر دہیں بدلتا اس کی بے قراری ظاہر کرتا
ہے۔ نہ معلوم دل میں کونسا خیال پیدا ہوا جو بیکارگی کھڑا ہو گیا۔ اور
آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا یکا یک زمین پر گر پڑا۔ آہ
اس بے چارے کے بہت سخت ضرب آئی۔ مگر ہمت تو دیکھئے پھر کھڑا ہو گیا
اور لنگڑاتا ہوا باہر آتا ہے۔ بہتر ہے کہ کسی گوشہ میں چھپ کر دیکھیں کہ کیا ہوتا
ہے۔ نوجوان صحن باغ میں کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔ اس کا
ایسا دیکھنا ہم کو یقین دلاتا ہے۔ کہ ضرور کسی کا انتظار ہے۔ افسوس یہ ہے
کہ اتنی تکلیف گوارا کر کے تو باہر آیا۔ اب پھر مایوسی کے ساتھ واپس بنگلہ
میں جاتا ہے۔ جا کر پلنگ پر لیٹا ہی تھا۔ کہ ایک عورت اُس بنگلہ میں داخل
ہوئی۔ اور جس کمرے میں ہمارا عاشق زار تھا۔ یہی اُسی کمرہ میں گئی۔
نوجوان۔ خورشید تم نے بڑی راہ دکھالی کہو خیریت ہے
خورشید۔ (سوچ کر) خیریت کیسی وہاں تو کچھ اور رنگ ڈھنگ ہے۔
نوجوان۔ ہیں! سچ کہو۔

خورشید۔ کیا میں آپ سے غلط عرض کرتی ہوں۔
نوجوان۔ (زنا پر ہاتھ مار کر) غضب ہو جائیگا رگھو آکر کیا کرنا
چاہئے۔

خورشید۔ اب غضب کیا ہو جائے گا اب بچتا ہے کیا بنے
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔

نوجوان۔ جیف۔ افسوس۔ میری عقلت نے میرا کام کام کر دیا۔ لیکن

پیاری چاند کا خون ناحق ہوا

ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ خورشید کسی کا پیام سلام لاکر دیتی ہے
نوجوان کے والدین کو بھی معلوم ہے۔ کہ نوجوان مرض عشق میں گرفتار ہے
اور خورشید کی بھی انہیں خبر ہے۔ اور یہ بھی معلوم کر لیا۔ کہ اس کا مطلوب کون
ہے۔ خورشید نوجوان کی حالت دیکھ کر حیران و پریشان کھڑی ہے۔ ہمارا
نوجوان اس وقت شش و پنج میں ہے۔ چہرہ سفید ہو گیا۔ اور آنکھوں سے
آنسو جاری ہیں۔ ہاتھ پاؤں قابو میں نہیں۔ بہت دیر تک ضبط کیا۔ مگر جب
ضبط نہ ہو سکا۔ تو رونا شروع کیا۔ آخر روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ اس
کمرے سے زنا خانہ بھی ملا ہوا تھا۔ جب اس کے روتے کی آواز اندر گئی۔ تو اندر سے
نوجوان کا باپ گھبرا کر نکلا۔ اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر۔ امیر احمد نوجوان کا
والد خورشید اور نوجوان کو زنا خانہ میں لے گئے۔ ماں بھی بیٹے کو دیکھ کر
بے تاب ہو گئی۔ چہرہ پر زردی چھا گئی۔ امیر احمد سمجھ گیا تھا۔ کہ یہ حضرت عشق
کے مژدم ہیں۔ غرضیکہ یہ حالت نوجوان کی ہم کو افسوس دلاتی ہے۔ کہ اس
کے رفیق ہوش نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور صبر بھی رفیق چکر بٹاؤ والدین
الگ اپنے اپنے خیالات میں خاموش ہیں۔ مقدم ہوش میں لانے کی تدبیر کی
جار ہی ہے۔ امیر احمد نے پانی کا چھینٹا دیا۔ اور شانہ ہلا کر پکارا بیٹا سلیم و سلیم
پانی کا چھینٹا پڑتے ہی سلیم نے آنکھیں کھول دیں۔ لیکن بے حس و حرکت
مردہ کی مانند پڑا ہوا۔ اتنا ہوش آنے پر لوگوں کو کچھ تسلی ہوئی

شہزادہ سلیم کی ماں کو سلیم کیا حال ہے۔ دشمنوں کی طبیعت بنیاد
کیوں ہو گئی تھی۔ کچھ اپنے منہ سے بھی بتلاؤ پھر سلیم کے باپ کی طرف متوجہ
ہو کر بھلا یوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر کب تک بیٹھے رہو گے۔ بازار جاؤ کسی طبیب
یا ڈاکٹر سے کوئی دوائی لاؤ۔ اور میں خیرہ صندل کھول کر پلاتی ہوں۔ انشاء
اللہ تعالیٰ جب تک آپ نہ آئیں گے سلیم کو کسی قدر فائدہ ہو جاوے گا۔ بلکہ تم
طبیب کو اپنے ہمراہ لانا۔ امیر احمد جلد کوٹ بہن کر بازار کو گیا۔ راستے میں ایک
اُس کا دوست ملا۔ جس کو ہم صدر الدین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

صدر الدین - بھائی امیر احمد خیر ہے اتنی جلدی کہاں
 امیر احمد - ہاں اور تو سب خیریت ہے۔ لیکن برخوردار سلیم کی طبیعت
 خراب ہے۔ کسی طبیب کے یاں چلا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کس کو لاؤں مہاپ کی
 نظروں میں کونسا طبیب تجربہ کار اور ہوشیار ہے۔

صدر الدین - میرے خیال میں آپ حکیم رام گوپال صاحب کے پاس
 جائیں۔ کیونکہ میں نے اُن کو چند مرتبہ آزمایا ہے۔

امیر احمد - خیال تو میرا بھی یہی ہے۔ کہ اُن کو ہی جاکر تکلیف دوں لیکن اُن
 کے مزاج سے ناواقف ہوں۔ مگر تعریف تو بہت سُننے میں آئی ہے۔ کہ وہ جہاں
 خوش مزاج اور بے غرض آدمی ہیں۔

صدر الدین - بیشک میں دعوائے سے کہتا ہوں۔ کہ اُن کے مقابل آج
 شہر کرنال میں کوئی نہیں۔ ایک تو وہ خود لائق اور تعلیم یافتہ ہیں۔ دوسرے
 طبیہ کالج دہلی میں تمام طلباء سے اول نمبر لے کر پاس ہوئے ہیں۔ بلکہ اُن کا
 تجربہ یہاں تک دیکھا ہے۔ کہ مریض کی آنکھ دیکھ کر ہی مرض پہچان جاتے ہیں
 اور زیادہ کیا بیان کروں۔ آپ جلد چلے جائیں۔

امیر احمد - بہت بہتر۔ یہ امیر صدر الدین تو اپنے مکان کی طرف چل دے
 اور امیر احمد حکیم صاحب کی طرف چل دیا۔ امیر احمد حکیم صاحب کے مکان پر
 پہونچا اور آواز دی۔ حکیم صاحب - حکیم صاحب - ذرا باہر تشریف لانا۔
 حکیم صاحب راندے حاضر ہوتا ہوں۔

امیر احمد - ذرا جلدی کر برہ حکیم صاحب کچھ ناشتہ کر رہے تھے۔ جلدی کا
 لفظ نکرناشتہ چھوڑ کر فوراً باہر آئے۔

حکیم صاحب - میاں امیر احمد خیر باشند کیا ہوا؟

امیر احمد - کیا عرض کروں۔ ایک مصیبت میں مبتلا ہوں۔

حکیم صاحب - آخر کچھ کہو تو؟

امیر احمد - زیادہ کہنے کی فرصت نہیں۔ لیکن آپ کو تکلیف دینے آیا

حکیم صاحب - کیوں گھر میں خیریت ہے۔ سلیم اور اعجاز تو چھٹی طرح ہیں۔

امیر احمد - اعجاز تو اچھی حالت میں ہے۔ مگر سلیم حضرت عشق کی جان کو دغا دے رہا ہے۔

حکیم صاحب - کیا سلیم کسی پر عاشق ہے۔

امیر احمد - جی ہاں۔ خدا نشی والہ بخش کو سلامت رکھے جو کچھ ہو اسے نہیں کی بدولت ہے۔

حکیم صاحب - ہیں بڑے قجوب کی بات ہے۔ منشی صاحب کا تو وہ شاگرد ہے۔ پھر اُن کی بدولت چہ معنی۔ اصل معاملہ کیا ہے؟

امیر احمد - صاحب - یہ ایک بہت بڑا داستان ہے۔ مختصراً آپ سے بیان کرتا ہوں۔ سلیم بچپن سے منشی صاحب کے پاس پڑھتا تھا۔ اور منشی صاحب کے گھر میں بھی جایا کرتا تھا۔ بے پروگی عشق کا سبب ہوئی۔ اُس پر طرہ یہ کہ منشی صاحب نے اپنی لڑکی چاند بیگم کے لئے سلیم کو مقرر کر دیا۔ انکی لڑکی نہایت شکیل تھی۔ اور جو کچھ اُس کے حسن کی تعریف کی جاوے کم ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے آپ جانتے ہیں۔ جوانی کا عالم۔ وہ بھی سلیم کو دل و جان سے چاہنے لگی۔ غرضیکہ قصہ بڑا ہے۔ اتنی فرصت نہیں جو بیان کروں۔ ذرا صل کر ملاحظہ فرمایہ۔ حکیم صاحب فوراً امیر احمد کے ہمراہ ہو لئے اور سلیم کو جا کر دیکھا تو وہ ہوش میں تھا۔ لیکن بحر فکر میں ڈوبا ہوا یا اس و فکر چہرے سے عیاں ہے اسی خیال میں زانوں پر ہاتھ مار کر کہتا ہے۔ افسوس صد افسوس۔ دل کا رونا دل ہی میں رہا۔ اور میری وجہ سے ایک نازنین کا خون ہوتا ہے۔ جو بچہ بدلی و جان قربان ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ میں کیسا بد نصیب ہوں۔ کہ ایسے وقت میں اُس کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ اُف۔ اس کے ہر رخ سے عورتوں کے قلوب تر سا کر مارنا آتا ہے۔ کچھ نور جم کر۔ آہ۔ ہمارے دل کا صبر۔ اوپر سے اوپر ہی نہ جائے گا۔ ہائے میں کیسا ناشاد و نامراد اس دنیا فانی سے چلائے سلیم کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل کا دل چھین ہو گیا ہے۔ کہ سلیم کو مرض سرسام بھی ہو گیا

ہے۔ لیکن حکیم صاحب یہ شخصیں کہہ رہے ہیں کہ واقعی یہ کسی پر عاشق ہے۔
 حکیم صاحب صاحب (امیر احمد سے) اس کی دوائی تو منشی الہ بخش سے ہی مل
 سکتی ہے۔ اچھا کل میرے پاس تشریف لانا۔ میں آج رات کو کچھ تجویز کر دینگا
 اور الہ بخش سے ملوں گا۔ یہ کہہ کر حکیم صاحب تو اپنے مکان کو چل دئے لیکن
 سلیم بے چارہ بدستور آہ و زاری کر رہا ہے۔ اور گھر والے اس خیال میں گردن
 جھکا گئے ہیں۔ اُن کو قہوڑی دیر اسی خیال میں رہنے دو۔ اب چاندیگم کو
 بھی چل کر دیکھنا چاہئے۔ کہ وہ آفت کی ماری دکھایا کیا کر رہی ہے۔

دوسرا باب

آفت کا جب مزا ہے کہ دونوں ہوں بھرا
 دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

گرچی کا موسم ہے۔ کوئی بکے ہوں گے۔ جسٹ پٹا سا ہو چلا ہے۔
 مغرب کی جانب آسمان پر جو ابھی ابھی دو چار ستارے نظر آ رہے تھے۔ اب
 ایک بڑی تعداد کے ساتھ نظر آنے لگے۔ مہتاب کا نور اب آہستہ آہستہ بڑھتا
 چلا آتا ہے۔ جسے اوپر نظر پڑتی ہے۔ تو آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ چاند
 کے گرد ایک باریک ہالہ ہے کہ کسی حسین کا چہرہ مصباح دار دو پہلو میں چمک
 رہا ہے۔ اس تشبیہ سے تو بے ساختہ تڑپا دیا اور قوت متحیلہ کو کسی اور جانب
 رجوع کیا۔ ہائے یہ وہ رات ہے۔ جس میں عاشق مزا جوں کو دلفریب معشوق
 سے ملنے کا اشتیاق رہتا ہے۔ نور لاکھوں بے چارے ستم رسیدہ اس شبہاہ
 میں جنگل کی خاک چھانا کر رہتے ہیں۔ اور اس رات کو حسرت بھری نگاہوں سے
 دیکھا کرتے ہیں۔ کیوں جناب اُس حرمان نصیب کا بھی کچھ خیال ہے۔ کہ جو
 بے چارے بھرتی تنگ و تنگ کو ٹھٹھری میں بڑی ہوتی آہ و نالہ سے دل بہلا
 رہی ہے۔ اور جس کے گل غار رض پر آنسو شبنم کے موتیوں کی طرح تھک و کھا
 رہا ہے۔ ہائے یہ لوح حسین اور چار پائی کی بچی سے پھوڑی جاسکے۔ اور

چشمِ جادو اثرِ جس میں مونی کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ ابر نیساں کی طرح بر سے
 فلک اس بے چاری کی حالت دیکھ کر ہنس رہا ہے۔ ستارے آسمان پر کانچھوکی
 کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو بلّا بلّا کر یہ کہہ رہا ہے۔ کہ نہ معلوم اس ستم رسیدہ پر
 کیا آفت آئی ہے۔ کہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہی ہے۔ افسوس۔ اس نازنین کی عمر
 غالباً سترہ برس کی ہوگی۔ لیکن چہرہ سے بچپن اور بھولا پن عیاں ہے۔ اور
 پیشانی مثل لوحِ بلورین کے چمک رہی ہے۔ اور پلکوں میں وہ سفاکی ہے۔ کہ
 تیر بن کر عشاق کے کلچر کے پار ہوئی جاتی ہے۔ آنکھوں کے سرمہ کا انداز کچھ
 ایسی تیزی دکھا رہا ہے۔ گویا تیغِ نظر کو پتھر چٹا رہا ہے۔ ہائے چتون دل کو
 جھگڑ جھگڑا کر چھینے لیتی ہے۔ دونوں رخسار گلاب کے پھول نظر آتے ہیں۔ قد
 اوسط درجہ کا نہ لبانہ چھوٹا۔ قیامت خیز فتنہ انگیز اس وقت سارے گھر میں
 خوشی ہو رہی ہے۔ لیکن نہ معلوم ایسے وقت میں کس نے اس کے دل میں
 چٹکی بھری ہے۔ جو دل کو ہاتھوں سے تھامے بیٹھی ہے۔ کیا کوئی بتلا سکتا
 ہے کہ یہ نازنین کون ہے؟ ہائے رہنِ عشق کی کوئی ہوئی اور فلک کی ستائی
 ہوئی دل ریش ظلم رسیدہ جان سے بیزار پیاری چاند بیگم ہے۔ اور یہ دل ہی دل
 میں کہتی ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اے زمین تو ہی پھٹ جا۔ کہ میں سما جاؤں
 آسمان کیوں نہیں ٹوٹتا کہ دب کر مر جاؤں۔ اے جانِ تجھ کو تن سے نکلنے سے
 کیا موت آتی ہے۔ ہائے قضا کو بھی میرا دکھ دیکھنے میں مزا آتا ہے۔ اے
 ناامیدی وصل کیا تجھ کو موت نہ آئی جو مجھ مصیبت زدہ کو ستا رہی ہے اے
 ناخدا سے عشق کشتی عشق کہیں ڈوب نہ جائے۔ ہائے کسی نے سچ کہا

ہے

عشق کے دریا میں گر کر کون نکلا ہے بھلا
 جس کو کہتے ہیں وہ دریا بے کنارِ عشق ہے

اسے دردِ دل تجھ کو رحم نہیں آتا۔ تیرا فرض ہے کہ اس وقت چھاتی
 تھونک کر کھڑا ہو جا اور میرا ساتھ دے۔ ہائے میں غمزدہ کیونکر اپنی جان
 دیدوں۔ کسی کے دل میں کیونکر دل ڈالوں۔ اسے دل تجھے کیا ہو گیا۔ اے بخت

خفہ کب تک سوتا رہیگا۔ اگر سونا ہی نہ نظر ہے۔ تو ذرا توقف کر۔ تھوڑی دیر اور
 میرا تیرا ساتھ ہے۔ جب قبر میں چلی جاؤں پھر ٹانگ پھیلا کر سونا تیرے کوئی نہ
 جگا ٹیگا۔ اے موت تجھے کیا ہو گیا ہے جواب تک نہیں آئی۔ اے چاند گیا
 تجھے آپ نے نام کی شرم نہیں جو میری حالت دیکھ کر خاموش کھڑا ہے۔ اگرچہ
 اس نازنین پر مصیبت پڑی ہے۔ لیکن خوف رسوائی اس کی دل کی خوشی اور
 قلبی محبت کے اظہار کو روک رہا ہے۔ آہیں شعلہ بن کر کلیجہ اور جگر کو جلائے
 دیتی ہیں۔ ہائے اس کے باغ حُسن پر خزاں آگئی۔ اس کے گلاب سے چہرہ
 کو باد خزاں نے مرچھا دیا۔ وہ جوانی کی اُننگیں افسوس کہاں گئیں۔ بجائے
 اس کے سستی اور کالی نے اپنا رنگ خوب جمایا۔ کئی ماہ سے بالوں کو تیل
 نہیں لگایا۔ منہ دھونے کی ضرورت ہی نہیں۔ خدا چشم ترک سلامت رکھے
 جو خود بخود دہل جاتا ہے۔ ہائے اس نازنین کا حُسن و جمال دیکھ کر اور اُس کی
 مصیبت کا خیال کر کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ افسوس کیسی جوانی
 خاک میں ملتی ہے۔ چاند کیسی اس خیال میں مستغرق ہوتی ہے۔ کہ ہائے افسوس
 صد افسوس۔ کوئی اتنا نہیں کہ آخری وقت میں تو سلیم کی صورت دکھائے
 خورشید بھی جا کر مر رہی۔ چلتے وقت تاکید کیا تھا کہ صرف پیارے سلیم کا
 خیال ہے۔ ورنہ یہ (تلوار کی معرفت اشارہ کر کے) تلوار سے کام تمام کر لیا ہوتا
 میں سنا کرتی تھی۔ کہ محبت میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ آہ میں کشش ہوتی ہے
 لیکن سب جھوٹ۔ اگر محبت اور عشق میں کچھ اثر ہے۔ تو ضرور میری شادی
 سلیم سے ہونی چاہئے۔ خدا وہ دن نہ لائے۔ کہ میرا غیر مرد سے سامنا ہو۔
 لیکن افسوس یہ تو ہونے والا ہے۔ کیا میری گردن میں تقدیر نے بے چارے سلیم
 کو بھی چکر میں ڈالا ہے۔ بھئی اللہ کیا ہو گا اور کیا ہونے والا ہے۔ چاروں طرف
 آنکھیں پھاڑ کر دیکھتی ہوں۔ لیکن کوئی رفیق نہیں۔ جس سے اپنے دل کی بات
 کہوں۔ جو یہ شادی نامراد ہی کا سامان ہو رہا ہے۔ اگر میری موت کی ہماندار جی
 کام میں آئے تو بہتر ہے۔ اسے خدا تیرے سوا کوئی میرا دغا نہیں کھڑے
 میری جان کے عواہل ہیں اور تو میرے دل کی کیفیت سے آگاہ ہے۔ اگر میں

سلیم سے خصوصی محبت کا اظہار جاتا ہے۔ تو مجھ کو بہت سے ایسے موقع ملے لیکن
 میں نے مجھ کو حاضر و ناظر جانا۔ کبھی بڑے خیال کی طرف نہیں گئی۔ مجھ کو سلیم
 کے ساتھ سچا عشق ہے۔ تو خوب جانتا ہے۔ یا الہی میرے والدین کی طبیعت
 کو پھیر دے۔ مجھ سے ہمیشہ منہ مانگی مراد پائی۔ اس لئے تیرے آگے التجا کرتی
 ہوں۔ کہ یہ بلا میرے سر سے دور کر۔ تیری کریمی کے صدقے۔ تیری رحمدلی
 کے قربان۔ اگرچہ میں جانتی ہوں۔ کہ موت کے وقت تو یہ قبول نہیں ہوتی۔
 لیکن مجھ کو تیری ذات سے امید قوی ہے۔ کہ تو میری دعا قبول کرے گا۔ مجھے
 کل نکاح کے وقت جو رضامندی دریافت کریں گے تو ہلے میں کہدوں
 کہ رضامند ہوں اور پیارے سلیم کو دل سے بھلا دوں۔ یہ تو مجھ سے نہ ہو سکیگا
 اگر رضامندی ظاہر نہ کروں تو عجب کہ والدین غیرت کے مارے مرجائیں ان کا
 خون بھی سر پہ لھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ آخر یہ میرے ماں باپ ہیں کوئی
 وطن تو کہیں نہیں۔ اگر اس وقت میرے ہاتھ دشمن کر رہے ہیں۔ تو اس کا عوض
 خدا دیگا ہائے وہ شربت کا پیالہ جو نکاح کے بعد مجھ کو پلایا جائیگا۔ میرے حق
 میں زہر کا پیالہ ہو جائیگا۔ یہ خیال آتے ہی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے
 عورتوں کا ہجوم تھا اپنے آپ کو بہت سنبھالا لیکن نہ سنبھلی۔ عشق کے آثار چہرہ
 پر برسنے لگے۔ سہیلیوں نے پوچھا۔ بہن چاند کیا حال ہے؟ خیر تو ہے۔ بدن بھی
 گرم ہو رہا ہے۔

چاند۔ ہاں کیا بتاؤں۔ کل سے جاگ رہی ہوں۔ اس کی تکان سے بخار ہو گیا
 اور سر میں بھی درد ہے۔ یہ شکر سب کی سب اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں۔
 اور چاند چاہتی ہی تھی کہ یہ سب چلی جائیں۔ تو بہتر ہے۔ کیونکہ وہ سوائے سلیم
 کے خیال کے کسی کو اپنا ہمدم بنانا نہیں چاہتی تھی۔ اُس کا خیال چاند
 کی طبیعت بھلانے کو کافی تھا۔

بس دل ہے اور اس میں تمہارا خیال ہے
 اور وہ خیال جس کا بھلانا محال ہے

تیسرا باب

جو کچھ دکھائے چرخ ستمگار دیکھے
جو آگے آئے بس اُسے ناچار دیکھے

صبح ہوتی آتی ہے۔ آسمان پر سیاہی میں سفیدی نمودار ہو رہی ہے
غائباً چار بجے ہوں گے۔ آسمان پر عجب سماں نظر آتا ہے۔ ستارے جھلک رہے
ہیں۔ چاند کی رنگت پھسکی پڑ گئی۔ آفتاب کی اور ہے۔ ہر ایک ستارہ سلام کو کے
رخصت ہو رہا ہے۔ نسیم سحر چل رہی ہے۔ ٹوڈن آذان دے رہے ہیں۔ اور
مسجدوں میں نمازیوں کا ہجوم ہوتا جاتا ہے۔ مندروں میں پجاری گھڑیاں بجا
رہے ہیں۔ یہ وہ سہانا وقت ہے۔ کہ ہر فرد بشر کو مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اور
جب جنگل کی طرف نظر جاتی ہے۔ تو کچھ اور ہی معلوم دیتا ہے۔ دیا الہی یہ کیا معلوم
ہے۔ آہ معلوم ہوا۔ کہ ہیضہ خان صاحب کی مہربانی ہے۔ کہ گلی کو چہ سنسان گھر
کے گھر اُڑ چکے جاتے ہیں۔ کوئی ایسا گھر جس میں ان کا قدم نہ پھر گیا ہو۔ آہ
آج یہ سدھارا۔ کل اس کی باری آئی۔ ہر سوں باپ رخصت ہو کر بیٹا چھپت
ہوا۔ آج ماں نے کوچ کا نقارہ بجایا۔ بیٹی نے ماں کا ساتھ دیا۔ بائے افسوس
ہزاروں ہیضہ خاں صاحب کی نذر ہو چکے۔ لاکھوں عورتوں کو بچہ بنا دیا
سینکڑوں کو اولاد کی شادی کا ارمان رہ گیا۔ ہائے اُن والدین کو کیسا سخت صدمہ
ہو گا۔ جنہوں نے بچائے شادی کے جوڑے اپنے بیٹے کا کھن قطع ہوتے دیکھا
ہو گا۔ بیچاری ماں اُس وقت کس طرح گریہ و زاری نالہ و فریاد کرتی ہوگی مافسوس
جس کا ایک ہی لڑکا ہو وہ بھی نکاح کے روز اس دنیا سے کوچ کر جائے۔
بے چاری ماں کلیجہ تھام کر بیٹھ جاتی ہے۔ کبھی لاش کو گلے لگاتی ہے۔ کبھی
پیار کرتی ہے۔ کبھی کہتی ہے۔ اے بیٹا چلو۔ برات کی سواری کا گھوڑا کھڑا ہے
لوگ منتظر ہیں۔ اوٹھو تمہیں بیاہ کر لاؤں۔ ہائے بیٹا کیا آج ہی کے لئے پالا تھا
ہائے بیٹا کچھ تو منہ سے بولو۔ اس خفگی کا باعث تلاء۔ آہ یہ ماٹھارہ برس کی کمانی

مجھ پر نصیب کی خاک میں سے بنی۔ ہائے بیٹا۔ یہ ہاتھوں کی ہنسی تو میرا خون
 کر رہی ہے۔ آہ مجھ سے کیوں خطا ہو کر گورستان بسایا ہے۔ ایسے کڑیل جوان
 کی موت کیونکر صبر کروں۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اسے اللہ بجائے صبر کے اگر
 مجھ کو موت دے تو بہتر ہے۔ ہائے میرے ارمان خاک میں مل گئے۔ افسوس
 تیرا سہرا دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ آہ آج تیرا سہرا پامدھ کر نکلنے کی بجائے تیرا
 جنازہ نکلے۔ شادی کی بجائے تمام عمر کے لئے داغ بھروے گیادیاں بیچاری
 گریہ وزاری میں مشغول ہے۔ ہر ایک شخص بے نیشت بد نماں سکتے کے عالم
 میں کھڑا ہے۔

ناظرین مرے والا نشی صاحب کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اسی کے ساتھ
 آج چاند کا عقد ہونا تھا۔ عین دن کے دن کبھت موت نے ایضہ کی شکل میں
 آکر اس بے چارے کا کام تمام کیا۔ باپ کے دل کی امیدیں ماں کے سائے
 ارمان خاک میں مل گئے۔ ان دونوں کی حالت دیوانہ کی مانند ہے۔ جو دل میں آتا
 ہے۔ بک رہے ہیں۔ درحقیقت جب جوان بیٹا آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ
 جائے تو زندگی کا کیا لطف باقی رہتا ہے۔

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ
 آنکھوں کو کر کرتا ہے فور نظر کا داغ

چوتھا باب

درد مندوں کی دعا۔ دیکھ لو خالی نہ گئی

یہ صبح بھی بے چاری چاند کو صبح عشرے کم نہیں۔ برات کی آمد کے لوگ
 منتظر ہیں۔ تمام گھر والے خوشی خوشی پھر رہے ہیں۔ لیکن پیاری چاند عجب
 کشمکش میں ہے۔ چاہتی ہے۔ کہ تلوار اٹھا کر اپنے آپ کو ہلاک کرے۔ مگر وہ سلیم
 کا خیال پھر آ جاتا ہے۔ کہ اگر اس کو معلوم ہو گیا تو فوراً جان ویدیا گاہ اور اس کا

خون میرے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ ادھر برأت کی آمد کا انتظار ہے۔
 ادھر موت کی راہ دیکھی جاتی ہے۔ چاند جب ان متوحش خیالوں سے گھبرا
 جاتی ہے۔ تو دل میں کہتی ہے۔ کہ اب تو کچھ نہیں رہا۔ صبح ہو چکی ہے۔ ضرور
 عقد ہو جائیگا۔ کیا کروں گی۔ اور خورشید کا انتظار ہے نہ وہ آتی یہ نہ موت
 خیر جو کچھ بھی ہو یہ کلمے کسکر تلوار کو میان سے باہر نکالا۔ اور چاہتی تھی کہ سینے
 میں مارے۔ کہ خورشید نے آکر فوراً ہاتھ پکڑ لیا۔

خورشید۔ کیا غضب کرتی ہو۔

چاند۔ آہا خورشید اچھے وقت پر آئی۔ پیارے سلیم سے میرا سلام کہدینا
 اور کہنا۔ کہ دنیا میں تم سے ملنا میری قسمت میں نہ تھا۔ خیر مشیت ایزدی
 میں کسی کو کیا دخل ہے

خورشید۔ ہائے بی بی۔ بھلا ایسا بھی کیا ہے۔ ذرا سنو تو سہی۔ کہ جس
 کی ہدایت آنے والی تھی۔ وہ ٹھنڈے ٹھنڈے اس دنیا فانی سے ٹک عدم
 کو سدھارے۔ اب تمہاری شادی سوائے سلیم کے اور کسی کے ساتھ نہ
 ہوگی۔

چاند۔ نہیں۔ کیا کہتی ہے؟

خورشید۔ میں سچ کہتی ہوں۔ کہ منشی صاحب کا بھتیجا مر گیا۔ ماں
 باپ کا بُرا حال ہے۔ حیران و پریشان گھر میں چپکے بیٹھے دیواروں کو
 ٹک رہے ہیں۔

چاند۔ غضب ہو گیا۔ بتا تو سہی۔ کیا ہوا۔ کیونکر ہوا۔ مفصل بیان
 کر۔

خورشید۔ مفصل کیا کہوں۔ ہیضہ ہوڑا تھا۔ مر گئے۔

چاند۔ افسوس صد افسوس برا ہوڑا۔

خورشید۔ بُرا کیا ہوا۔ تمہارے سر سے بلا ٹلی۔ اگر آج کی شب وہ نہ
 رہتا۔ تو تمہاری شادی ہونے میں باقی کیا رہا تھا۔ اس شادی میں دو تہیں
 سامنے نظر آرہی تھیں۔ ادھر تم میری بی بی سلیم کی جانی کسو دینا اس

سے ایک ہی موت ہو گئی تو اچھا تھا۔

چاند۔ خاموش رہو۔ کیا بک رہی ہے۔ مجھے اپنے مرنے کی پروا نہیں
البتہ سلیم کا خیال ہے۔ خیر یہ افسوس کی بات ہے۔ کہ اُس کی جوانی کی
موت نے اُس کے والدین کو کہیں کا نہ رکھا۔ وہ بے چارہ محض بے
تصور تھا۔

خورشید۔ ہاں بی بی سچ ہے۔ جوان موت تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ سُننے
والے افسوس کرتے ہیں۔ وہ تو پھر یاں باپ ہیں۔ موت کے آگے کچھ پیش نہیں
چلتا۔ اور جو کچھ خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ کس کس کا غم کریں۔ ہزاروں مر گئے
اور مرتے جاتے ہیں۔ مگر میں اتنا جانتی ہوں۔ کہ ضرور تمہاری خادہ سلیم کے
ساتھ ہوگی۔

چاند۔ مگر تیرا خیال ہے۔ مجھ کو امید نہیں کہ پیارے سلیم کے ساتھ ...
... مجھ کو ایک ایک منٹ ایک بہن کے برابر معلوم دیتا ہے۔ اور میرے
لئے بہتر ہے۔ کہ جلد اس تکلیف سے رہا ہو جاؤں۔ یہ کمکر تلوار کو میاں سے نکالا
کہ خورشید نے فوراً تلوار چھین کر میان کی۔ ادھر پیاری چاند کے آنسو بھر آئے
اور اپنی بد قسمتی پر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ خورشید نے بہت کچھ
سمجھایا۔ کہ خدا کی ذات سے کبھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔ وہ اپنے ستم رسیدہ بندوں
پر جلد رحم کرتا ہے۔ ایسی تو تم نادان بھی نہیں ہو۔ ذرا سوچو اور عقل سے
کام لو۔

چاند۔ آہ میری غمخوار خورشید میں کیا کروں۔ میری تسلی تو ہر چند ہوتی ہے
خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مگر بخت دل کو یقین کیونکر آئے۔

خورشید۔ بیشک صحیح ہے۔ مگر خدا کی قدرت سے کیا دور ہے۔

جدائی دور ہونے کو ہے کچھ طے ملنے والے ہیں

خزاں جاتی ہے باغوں سے گل کھلنے والے ہیں

خورشید چاند کو سمجھا کر رخصت ہوئی۔ لیکن خیال آیا کہ سلیم کو بھی یہ خبر سنائی
جاوے۔ مگر خورشید ابھی دروازہ پر ہی تھی۔ کہ ایک شخص نے دو لکھا کے مرجانے

کی خبر سنا لی۔ سب لوگ حیرت میں ہو گئے۔ اور اس وقت جو صدمہ منشی صاحب اور ان کی بیوی کو ہوا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے۔ اور اپنی لڑکی چاند کی بد قسمتی پر افسوس کر کے ناچار تمام گھر والے دولہا کے مکان پر چلے گئے ہائے شادی کا گھر۔ مہمان شادی کا، ہجوم خوشی میں یکا یک غمی کی خبر سن کر مہمان عورتیں بھی رونے لگیں۔ غرضیکہ طرح طرح کے خیال دل پہ لاتی تھیں کوئی کہتی تھی۔ کہ ضرور اس کو کسی نے کچھ دیا ہو گا۔ کوئی کہتی تھی کہ قضاء الہی سے فوت ہو گیا۔ منشی صاحب کی بیوی سلیم اور چاند کے تمام حال سے واقف تھیں فوراً بول اٹھیں۔ یہ ساری شرارت سلیم کی معلوم ہوتی ہے۔ ضرور اس نے کچھ دیدیا ہو گا۔ وہ بڑا چلتا پرتا آدمی ہے۔ اس کی چالاکی سے کوئی واقف نہیں۔ ادھر بے چاری چاند سب کی باتیں خاموش بیٹھی سن رہی ہے۔ جب دل دکھا آنسو بھر آئے۔ سلیم کا خیال دل سے نہیں جاتا۔

ناظرین! ان سب کو تو یہاں ہی رہنے دیجئے اور اب اس غریب سلیم کی بھی خبر لیجئے۔ خورشید کھڑی ہے اور سلیم بے ہوش پڑا ہے۔ آنکھیں اور تمام جسم بے حس و حرکت ہے۔ فقط ایک سانس کے چلنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی زندہ ہے۔ یکا یک خورشید کی آواز سن کر آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ جب ان کی نظر خورشید پر پڑی۔ تو اشارہ کیا۔ کہ میرے پاس آؤ خورشید اشارہ پا کر سلیم کے قریب آ گئی۔

سلیم۔ کو پیاری چاند کیا رخصت ہو چکی۔ ہائے افسوس میں کسی قدر ... آہ پیاری چاند تجھ کو کہاں دیکھوں گا۔ اے موت تو اس وقت کہاں چلی گئی اے فلک تو ہی رحم کر۔ ہائے افسوس میں کیا تھا۔ اور کیا بن گیا۔ پیاری چاند تجھ کو معلوم نہ تھا۔ کہ تم بے وفا ہو۔ آہ

اگر دستم از روز ازل داغ جدائی را
منی کو دم بدل روشن چراغ آشنائی را
خورشید کیا میں اب پیاری چاند کو نہیں دیکھ سکوں گا۔ سچ سچ اور مفصل حال سناؤ۔ کیا وہ خوشی سے ڈولی میں بیٹھ گئی تھی یا کہ زبردستی سے

خورشید - مسکرا کر کیسی وضعت اور کس کی قبولیت آپ کو تمہاری مبارکبادی
 کچھ منہ بیٹھا کر او۔ میاں سلیم جس کے ساتھ آج چاند کی شادی ہونے والی تھی۔
 وہ رات ہیضہ خاں صاحب کی مہربانی سے مرچکے ہیں۔
 سلیم - میری مراد یہ نہ تھی کہ وہ غریب مر جائے۔
 خورشید - اگر وہ نہ کوچ کرتے تو آپ کبھی کامیاب نہ ہوتے۔
 سلیم - خیر تو اب تم مٹھائی کیسی کھاتی ہے۔ کوئی بات تو بتاؤ۔
 خورشید - میاں میں سچ کہتی ہوں کہ تمہارے رقیب اس دُنیا سے
 کوچ کر چکے۔

سلیم - تو کیا اب پیاری چاند سے میری شادی ہو جاوے گی۔ مجھ کو یقین
 نہیں آتا۔

خورشید - آپ کا خیال غلط ہے۔ اگر میرا دم میں دم رہا تو آپ کو دکھا دوں
 کہ چاند کی شادی کس سے ہوتی ہے۔ اس وقت کی بلا ٹلنی مشکل تھی۔ سو
 خداوند کیم کی مہربانی سے ٹل گئی۔

سلیم - بیشک ہم بھی خدا کی قدرت دیکھتے ہیں۔ کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا
 ہے۔ مجھے امید نہیں کہ یہ کام حسبِ دل خواہ ہو۔ تم کو اختیار ہے۔ جو چاہو
 کہو۔ کیونکہ تم میری ہمدرد ہو اور جو کچھ کر دوں گی میرے حق میں اچھا کر دوں گی۔
 یہ کہہ کر رخصت ہوئی۔ اور دل میں کہتی جاتی تھی۔ کہ خدا نے ایک موقعہ تو
 اچھا دیا ہے۔ اگر اس میں ناکامیابی حاصل ہوئی۔ تو سخت افسوس ہو گا۔ پھر
 خدا جانے کیا ہو۔ بہتر یہی ہے۔ کہ منشی صاحب کی بیوی سے کہا جائے۔ انحضرت
 گھر پہنچ کر منشی صاحب کی بیوی کو جھک کر سلام کیا۔ اور دو لہا کی موت کا
 ذکر کر کے روئے لگی۔ ادھر منشی صاحب کی بیوی کا کلیجہ زخمی تو تھا ہی۔ وہ بھی
 آنکھوں میں آنسو بھرا لائیں۔ پھر سارے گھر میں غم تازہ ہو گیا۔ گویا اسی وقت
 مرا ہے۔ خورشید نے اُن زخموں پر اور نمک چھڑک کر باتیں بنانی شروع کیں۔
 منشی صاحب کی بیوی کو کامل یقین ہو گیا۔ کہ یہ بڑی ہمدرد ہے۔ اور نہ دے
 سے دوست پاکر کر شروع کیا۔ کہ میرا خیال ہے۔ کہ سلیم نے کسی سے دو لہا

زہر دلوایا ہے۔

خورشید - سلیم کا نام سنکر (اجنبی ہو کر) بی بی سلیم کون۔

منشی صاحب کی بیوی۔ ان ایک حرامی گولہ ہے۔ کیا بتاؤں۔

خورشید - کیوں بتاؤں۔ کیوں نہیں۔ کیا میں کسی سے کتنی پھر دنگی۔

منشی صاحب کی بیوی۔ نہیں نہیں۔ کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جو ہونا تھا

وہ تو ہو چکا (آنکھوں میں آنسو بھر کر) افسوس یہ ہے۔ کہ بے چارے کے اس

باپ کا رنج ایک طرف۔ اس کی جوانی کیسی خاک میں مل گئی۔ حیف حیف

خورشید - بیشک بی بی سچ ہے۔ اس کی قسمت میں بی بی جوانی کا لطف

دیکھنا نہ تھا۔ مگر یہ آپ کیا فرماتی ہیں۔ سلیم نے کچھ دیدیا ہو گا۔ وہ سلیم جنم جلا

کون تھا۔ اور اس سے ایسی کیا دشمنی تھی۔ کہ اس نے اٹھتی کو نیل کو توڑا

مجھے خدا کے لئے کہو وہ کون ہے؟

منشی صاحب کی بیوی۔ (سکرا کر) تو پوچھ کر کیا کریگی جانے دو اور سنکر

مجھے کیا فائدہ ہو گا۔ خورشید نے بہت اصرار کیا۔ آخر منشی صاحب کی بیوی کو

مجبوراً بتانا پڑا۔ اور یوں گویا ہوں۔ کہ سلیم منشی صاحب کا ایک شاگرد ہے وہ

پہلے یہاں بڑھنے آتا تھا۔ اور گھڑی چاند اس کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ

دونوں میں محبت ہو گئی۔ مگر پھر بھی گھر کے لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا اور سمجھے کہ

بچپن کی بات ہے۔ یہ خبر نہ تھی۔ کہ محبت اس قدر بڑھ جائے گی۔ کہ ایک منٹ

بغیر دیکھے چین نہ پڑیگا۔ جب ان دونوں کا میں نے یہ حال دیکھا تو دل میں

کھٹکی اور منشی صاحب سے کہدیا۔ انہوں نے سلیم کا گھر آنا بند کر دیا اس کے

بعد چاند کی دیدہ دلی دیکھو۔ کہ جب شادی کا نام آیا تو منہ بنالیتی اور اس کے

چہرے سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ یہ رضامند نہیں ہے۔ لیکن اس بات کے سر

نہ ہوئے اور میں سمجھتی تھی۔ کہ چاند اپنے چچا زاد بھائی سے شادی ہونے میں

رضامند ہو جاوے گی۔ لیکن اس طرح کی ناگہانی موت سے شک ہوتا ہے

کہ ضرور سلیم نے کوئی کارروائی کی ہو

خورشید - بی بی سچ کہا ہے تمہارے کہنے سے مجھے بھی یہ بات سچ

معلوم دیتی ہے۔ مگر میں ضرور کہوں گی۔ کہ یہ سب تم لوگوں کی نا بھجی تھی۔ تم نے کیونکر یقین کر لیا تھا کہ چاند رخصتا منہ ہو جاوے گی۔ اور میری بات کا امتحان تو کرو۔ اور چاند کے چہرہ پر نظر ڈالو۔ دیکھو کہ بحال ہے یا اداس چاہے تم کو بڑا ہی کیوں نہ معلوم دے۔ یہ سنکر منشی صاحب کی بیوی خورشید کا منہ مخمٹے لگیں۔ اور کسی بہانہ سے اونٹنہ کہ کہ خورشید کو بڑا معلوم نہ ہو۔ اوس کو ٹھٹھی میں پہنچی۔ جہاں چاند پڑی ہوئی نالہ و زاری کر رہی تھی اور چھپکروکھنے لگی کہ کیا ہو رہا ہے۔

چاند۔ (اپ ہی آپ) اے میرے فنوار الرحیم۔ میں کہاں تک تیرا ہنکر کر رہا تو نے میرے سر سے بلا ٹال دی۔ سوا تیرے کوئی نہ تھا جو مجھے اس بلا سے ناگمانی سے بچاتا۔ اے میرے بہرہ ور دگار۔ تو بڑا کار ساز ہے۔ آدھی راہ پر تو نے مجھے پہنچا دیا۔ لیکن ابھی منزل مقصود وہ رہے۔ مگر تیری ذات سے امید قوی رکھتی ہوں۔ کہ تو ہی مجھے منزل مقصود پر پہنچائے گا۔ منشی صاحب کی بی بی۔ باتیں سنکر سمجھ گئیں۔ کہ جو میرا خیال تھا وہ غلط تھا اور خورشید ٹھیک کہتی ہے۔ قریب جا کر پوچھا۔

ماں۔ بیٹی۔ آدھی راہ کیسی منزل مقصود کا دور ہونا کیسا مراد تیری کیا چاند اپنے پیارے سلیم کے خیال میں ایسی غلطی ہے کہ ماں کو مطلقاً نہ پہچان سکی چاند۔ ہائے وہی میری جان میرا پیارا سلیم وہی میری مراد وہی آرزو یا نہ تے بے خبری میں کہہ تو دیا۔ مگر ذرا ہوش آیا تو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہ واژدینے والی اُس کی ماں تھی۔ دل میں سوچنے لگی۔ کہ بڑا غضب ہوا بڑی بے حیائی کی بات ہوئی۔ سر سے پاؤں تک پسینہ میں تر ہو گی۔ بھاری ماں جو اب سنکر خون کا سا گھونٹ پی کر چلی آئی۔ اور باتیں کرنے لگی

منشی صاحب کی بیوی۔ اے خورشید تو بڑی جہانگیرہ معلوم ہوتی ہے لے جیسا کہا۔ میں نے ویسا ہی پایا تیرا خیال بالکل درست تھا ایسے آدمی سے ضرور صلاح و مشورہ لینا چاہئے۔ اور جو کام صلاح سے ہوتا ہے۔ نتیجہ اُس کا ہمیشہ اچھا نکلتا ہے۔ میں تمہارے مشورہ بغیر کوئی کام نہ کرے گی۔

خورشید - بی بی - یہ تمہاری خولی ہے۔ جو مجھے ایسا بکشتی ہو۔ میں تو ایک بے وقوف ہوں۔ جو میری کچھ میں آتی ہے۔ کدیتی ہوں۔ اتنی بات اور عرض کرتی ہوں۔ کہ تم چاند کے سامنے اس کا ذکر نہ کرنا۔ خدا جانتے کیا ہو جوانی دیوانی ہے۔ ایسا نہ ہو دشمنوں کے کان پھرے وہ کچھ کھاپی لے۔ اور تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ۔ اُس کی بہت ہر گیزی کرنا۔

منشی صاحب کی بیوی - ہاں ہاں کیوں نہیں کہوں گی۔ لیکن تم کل پہلوں جب فرصت ملے میرے پاس ضرور آنا۔ مجھے تم سے کچھ مشورہ لینا ہے۔ یہ کہہ کر خورخید کو ایک چاء کی پیالی دی۔ اور چلتے چلتے تاکید کر دی۔ کہ ضرور آنا بھولنا مت۔

انقرض خورشید ہاں سے رخصت ہوئی۔ اور دل میں کہتی جاتی ہے کہ اب کیا خوب ہے۔ خدا نے کام بنا دیا۔ اسی خیالات میں وہ سلیم کے پاس پہنچی۔ خورشید کے چہرہ کی تازگی نے سلیم کو یقین دلادیا۔ کہ کوئی نہ کوئی خوشخبری ضرور لائی ہے۔

سلیم - تجھ کیل گیا جو خود بخود دھنسی چلی آتی ہے۔

خورشید - کچھ نہ پوچھو۔

سلیم - ہمیں بھی معلوم ہو۔

خورشید - کیا بتاؤں۔ میں آج سب کام ٹھیک کر آئی ہوں۔ فقط منشی صاحب پر تھار اٹام ظاہر ہونا باقی ہے۔

سلیم - کیا خواب کی باتیں کو رہی ہو۔

خورشید - میں خوب جاگ رہی ہوں۔ یہ کہہ کر حمام حال من و عن بیان کر دیا۔ اب سلیم کو دیکھئے کہ خوشی کے مارے جاسے باہر میں کتنا کچھ بے سند سے نکالتا کچھ ہے۔

خورشید - واہ صاحب واہ۔ بجائے اس کے کہ آپ کچھ انعام دیتے لیکن خالی منہ سے بھی تعریف نہ کی۔

سلیم - میں خورشید کو کیا بات کہتا ہوں۔ یہ اداں تمہاری

تعریف کر رہا ہے۔ تمہاری کوشش میں کسی طرح فرق نہیں۔ میرے دل میں
 کبھت ہزاروں خیال ہیں۔ چاند کا بے خودی کی حالت میں جواب دینا
 ضرور باعث خرابی ہوا ہو گا۔ خدا نخواستہ اگر یہ بات منشی صاحب کے
 کان تک پہنچ گئی۔ تو عجیب نہیں کہ پیاری چاند کی جان
 خورشید . . . میں نے پہلے ہی خیال کیا تھا کہ اچھا نہ ہوا۔ مگر اُس کا انتظام
 کر رہی ہوں۔ کیونکہ منشی صاحب کی بیوی نے وعدہ کر لیا ہے۔ کہ میں
 منشی صاحب تک خبر نہ کروں گی۔

سلیم۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ کہ منشی صاحب کی بیوی منشی صاحب سے
 پوشیدہ رکھے۔ انہوں نے ضرور کہہ دیا ہو گا۔ اور وہ سنکر آگ۔ بگولہ ہو گئے ہوں گے
 خدا جانے اس پر کیا آفت ڈھائے گی۔ خورشید یہاں تیرا دیر کرنا اچھا نہیں
 جلد جا کر وہاں کی خبر لا۔ اور راستہ میں بھی کسی سے بات نہ کرنا۔ اور پھر مجھے خبر
 دیکر گھر جانا۔

ناظرین اُن کو تو یہاں ہی چھوڑ لے۔ اور اب چاند کا حال معلوم کرنا چاہئے
 کہ اس پر کیا گزری ہو گی۔ ماں کو جواب دے کر دل میں شیطان اور تادم
 ہو رہی تھی۔ کہ پھر وہی سلیم کا خیال آ گیا۔ جو ایک لمحہ کے لئے الٹ ہو گیا
 تھا۔ اب وہی بے قراری و گریہ داری شروع ہوئی۔

خوف سے نام نہیں لیتی ہوں سن لے مکہ ٹی

دل ہی دل میں تجھے یاد کیا کرتی ہوں

لیجئے۔ پھر وہی چہرہ زرد وہی دریائے خون کی آنکھوں سے روانی
 دل کا پورا پورا حال ظاہر کر رہی ہے۔ اگرچہ ضبط بار بار منہ پر ہاتھ رکھ
 رہا ہے۔ مگر کلیجہ کا خعل جو بھر پڑتا ہے۔ تو آہ بے ساختہ منہ پر آ جاتی ہے
 ہائے آفسوس . . . صد افسوس فلک بھی اس بے چاری کی حالت پر رحم
 نہیں کرتا۔ نہیں معلوم ایسی نازمین تم رسیدہ کو ستا سنے میں اس کو کیا مزا
 ملتا ہے۔ نہ کوئی بھڑا دے نہ دل سو ڈبے۔ کوئی بھی نہیں جو کہے کہ کیوں
 جان کھدی ہے۔ اور بات شروع کرتی ہے۔ کیسے و فرہاد کو اس عشق میں کیا

حاصل ہوا۔ جواب تجھے مل جائیگا۔ یہ وہ دریا ہے۔ جس سے کوئی پار نہ ہو سکا۔

عشق کے دریا میں گر کر کون نکلا ہے بھلا
جس کو کہتے ہیں یہ دریا بے کنار عشق ہے

واضح رائے ناظرین ہو۔ کہ جس وقت خورشید منشی صاحب کی بیوی سے رخصت ہو کر گئی۔ اُن کو عجیب خیالات آنے لگے۔ اگر خورشید منع نہ کرتی۔ تو وہ ضرور منشی صاحب سے کہہ دیتی۔ الغرض شام کو مہمان رخصت ہوئے۔ اور وہی گھر کے دو چار آدمی باقی رہ گئے۔ اور منشی صاحب گھر میں آکر کھانا کھانے بیٹھے۔ تو اُن کی بیوی بھی قریب آکر بیٹھ گئی۔ چاند بخوبی جانتی تھی۔ کہ میرے اس جواب کا کچھ نہ کچھ ضرور نتیجہ نکلیگا۔ اسی وجہ سے صورت دکھانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ناچار پھر اُسی کو ٹھڑی میں جا بیٹھی۔ چاند کی ماں نے کل حال خورشید کی گفتگو کا بیان کیا۔ منشی صاحب کے چہرہ پر سرخی چھا گئی۔ اور آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ بلا سوچے بکھے چاند کو آواز دی۔ بے چارسی چاند غیرت کے مارے کچھ نہ بولی۔ جب منشی صاحب نے دوسری آواز دی تو اُن کی بیوی نے منع کیا۔ کہ میں مناسب یہی سمجھتی ہوں۔ کہ اس سے زیادہ بات نہ کرو۔ ورنہ نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ لیکن منشی صاحب نے ایک نہ سنی۔ چاند کے پاس کو ٹھڑی میں گھسے چلے گئے۔

منشی صاحب۔ او بے جہانم سے کیوں نہیں بولتی۔ صرف اتنا ہی کہنے پائے تھے۔ کہ اُن کی بیوی دوڑی ہوئی آئیں۔ اور منشی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر باہر صحن میں لے آئیں۔ اور اس طرح سمجھانا شروع کیا۔

منشی صاحب کی بیوی۔ خیر تو ہے۔ بھلا آخر تو لڑکی ہی ہے۔ تم نہیں جانتے۔ وہ شرم کی وجہ سے خاموش ہے۔ میری نشاء یہ ہے۔ کہ ایک عورت جس کا نام خورشید ہے نہ ثابت سمجھو اور نہ ہی۔ مجھے کامل یقین ہے کہ وہ کوئی اچھی تدبیر نہ کرے گی۔ آپ بھی اُس سے گفتگو کریں۔ اور جلد اس

کام کو منزل مقصود پر پہنچائیں۔ اسی اثناء میں خورشید بھی آ پہنچی۔ اور چاند نے خیال کیا۔ کہ شاید میرے پیارے سلیم کی کوئی خبر ہے۔ لیکن جب دیکھا۔ کہ میری ماں سے کچھ گفتگو کر رہی ہے۔ تو دل میں سمجھ گئی۔ کہ سلیم نے شادی کا پیغام بھیجا ہو گا۔ ہائے میرے پیارے جان نثار نے غلطی کی۔ جو پیغام بھیجا۔ افسوس صد افسوس۔ خورشید کی عقل پر بھی پتھر پڑ گئے۔ اب اگر شادی پیارے سلیم سے ہونے کی امید بھی تھی وہ تمام جاتی رہی۔ اُس نے آگے پیچھے کا مطلق خیال نہ کیا۔ اب منشی صاحب کی بیوی نے اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ یہ وہی عورت ہے۔ لیکن منشی صاحب خورشید کی رائے لینے سے پیشتر خود سوچے ہوئے تھے۔ کہ اب اس کا کرناں میں رہنا اچھا نہیں اور اس خیال نے اس قدر استحکام پایا۔ کہ اُس کو ملک عدم کے سفر کے لئے مجبور کیا۔

منشی صاحب۔ اے چاند۔ اگر اپنی زندگی کوئی گھنٹہ اس دنیا میں گذرنا چاہتی ہے۔ تو مجھے اپنی صورت نہ دکھلا۔ میرے گھر سے کالائمنہ کر۔ تیرا یہاں کچھ کام نہیں۔ او بے شرم۔ تو نے وہ کام کیا۔ کہ جس سے بزرگوں کی ناک کٹ گئی۔ اور تمام آبرو خاک میں مل گئی۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ تو ایک گھنٹہ بھی یہاں رہے۔ ہر ترے کہ تو شام کی ٹرین سے بنا اس اپنے ماموں کے ہاں چلی جا اور سمجھ لے۔ کہ جب تک میرے دم میں دم ہے۔ تو کرناں کی صورت تک نہ دیکھ سکے گی۔ یہ بھی خدا کا بہت بھاری شکر ہے۔ کہ تمام بھید کھل گیا ورنہ نہ معلوم کیا کیا گذرتی۔ چاند یہ گفتگو سن کر آنکھوں سے آنسو جاتی ہے اور باپ کا یہ حکم سن کر جتنی امیدیں تھیں سب خاک سیاہ ہو گئیں۔ خورشید بھی چاند کا یہ حال دیکھ کر دل ہی دل میں کہہ رہی ہے۔ کہ میں نے سوچا کیا تھا یہاں کیا ہو گیا۔ افسوس نہیں معلوم کہ سلیم کی قبرت میں کیا لکھا ہے۔ جب اُس کو یہ خبر ملے گی۔ تو وہ اپنا کیا حال کرے گا۔ اور اس وقت کچھ سفارش بھی نہیں ہو سکتی۔ منشی صاحب کی بیوی بھی خاموش کھڑی ہے۔ طاقت نہیں کہ دم مار سکیں۔ اب چاند کے چلنے کا وقت غنقریب آ پہنچا ہے۔ جوش

محبت سے ماں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ اور چاند بھی درو جگر اور اپنی
 امیدوں کو دیکھ کر رو رہی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر سب کے دل بے منہ کو آتے
 ہیں۔ خورشید نے خیال کیا کہ اس کی خبر سلیم کو دی جاوے تاکہ وہ بھی
 اسٹیشن پر جا کر پیاری چاند کی شکل دیکھ لے۔ مگر یہاں کے کہرام نے
 مجبوراً ایک قدم اٹھانے نہ دیا۔ ادھر کسی کی ہمت نہیں کہ منشی صاحب کو
 اس ارادہ سے باز رکھے۔ آخر وقت بالکل قریب آپہنچا۔ منشی صاحب
 ایک ٹانگہ لائے۔ اور چاند کو ٹانگہ میں بٹھا دیا۔ اور ایک بڑھیا کو ساتھ کر دیا کہ
 بنارس تک اس کے ہمراہ جائے اور آپ بھی اُس کے ساتھ اسٹیشن پر پہنچے
 چاند کو ریل میں بٹھا دیا۔ گاڑی کی سبز جھنڈی دیکھ کر انجن نے سیٹی دی۔
 پیاری چاند ادھر اور منشی صاحب ادھر گھر گھر کو روانہ ہوئے۔

ناظرین۔ اب ان کو تو تم نے سوار ہوتے دیکھ لیا ہے۔ مگر چلو۔ اب
 سلیم کی بھی کچھ خبر لیں۔ کہ اُس بے چارے کی کیا حالت ہے۔ جس وقت
 خورشید نے اُس کے بنارس چلے جانے کی خبر دی تو وہ عشق کا دیوانہ
 اس خبر کے سنتے ہی بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب ذرا ہوش میں آیا
 تو خورشید سے کہنے لگا۔

سلیم۔ کیا سچ بیچ پیاری چاند بنارس چلی گئی۔

خورشید۔ سلیم کی حالت خراب دیکھ کر ہاں اس وقت تو چلی گئی ہے
 مگر اسی ہفتہ میں واپس آجاوے گی۔ محض وہاں ایک شادی کا موقع ہے۔ ورنہ
 اور کوئی کام نہیں۔

سلیم۔ نہیں تم سچ نہیں کہتی۔ مجھے یقین کامل ہے۔ کہ منشی صاحب نے
 اس کی شادی بنارس میں کرنی ہے۔ اسی لئے اس کو تو پہلے بھیجا دیا اور آپ
 شاید آج چلے جاویں۔

خورشید۔ نہیں نہیں۔ آپ کا خیال غلط ہے۔ کیا وہ یہاں شادی نہ کرتے
 اگر کرنی ہوتی بنارس ہی جا کر۔ کچھ اور بات بھی تم تسلی رکھو۔ چاند تھلائی
 مال ہے۔ اور اس کی شادی بھی تمہارے ہی ساتھ ہوگی۔ اور میں ابھی جا کر

پہنچے خبر لاتی ہوں۔ یہ کہہ کر خورشید تو چلی گئی۔ گزرتھم رسیدہ اور عشق کا دیو
 سلیم بدستور بن گیا۔ اس کی طرح تو پھر پھر ہوا۔ اس کی طرح ہوا۔ کہ اچھا
 ہوتا۔ اگر آج میری موت آجاتی۔ اور میں بھی پیاری چاند کی طرح چھپ جاتا
 آہ افسوس۔ اے فلک تو ہی مجھ غریب پر رحم کر۔ کیوں تار رہا ہے
 اسی خیالات سے وہ بیکار ہو چکا۔ گویا معلوم ہوا۔ کہ گویا اس کی مجھو بہ
 چاند آگئی۔ مگر چاروں طرف دیکھ کر پھر فریض خاک پر لیٹ گیا۔ اور باوازی بلند
 کہنے لگا۔ آہ چاند۔ پیاری چاند۔ اگر میں جانتا کہ تو بے وفا ہے۔ تو ہرگز
 ہرگز دل نہ دیتا۔ ہائے افسوس۔ اُس نے کس طرح بنارس کا جانا قبول
 کیا۔ اگر اس کو میری جدائی منظور تھی۔ تو مجھے پہلے سے ہی کیوں نہ
 بتایا۔

کر بے وفا خوشی سے اس وقت یہ فانی
 میں ہوں وفا کا عادی اب بھی وفا کرونگا

پانچواں باب

میں بلا کی عشق میں آندھیاں ہیں غضب کی اس میں وائیاں
 یہ وہ آہ ہے۔ یہ وہ باد ہے کہ نہ جس کی روک نہ تقام ہے
 اے ہدف تیرے۔ اے مورد رنج و الم۔ تیرے گھر سے جو تیری مجھو بہ
 کا گھر ایک میل نہ تھا۔ اب کوسوں اور منزلوں پر بڑھ گیا۔ اور تو کربال میں اور
 تیری مجھو بہ بنارس۔ آہ خورشید ٹھیک تیرے خیال کی تصدیق ہے۔
 ناظرین سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ ہمارے فقروں کا فحشا طیب ہی انجان
 نوجوان سلیم ہے۔ یہ سچ ہے۔ کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اگرچہ سچے
 عاشقوں کو فراق کے صدمے بے انتہا اٹھانے پڑتے ہیں۔ اور ہر طرح کی
 مصیبتوں کے پہلو ہوتے ہیں۔ مگر پھر غور کر کے چشم بصیرت سے دیکھئے۔ تو
 عالم خیال میں اُن کو وصل سے زیادہ مزہ آتا ہے۔ وہ ایک ایسی کیفیت ہے

کہ دل اس مزے میں زبان کی بھی شرکت گوارا نہیں کرتا۔ اگر عشق بھر میں لاکر
اندھا کر دیتا ہے۔ اور رنج و غم جو انوں کی مکر توڑ دیتا ہے۔ مگر یہ حضرت عشق
ایسا نہیں ہے۔ کہ اپنے بیاروں کو اپنی راہ کے سوا دوسری طرف جانے دے
اے ستم رسیدہ سلیم۔ یہ دو باتیں ہم تم کو بطور نصیحت کے کہتے ہیں۔ اول
تو یہ کہ ان صدقات کی یورش و حملہ میں عنان و صبر اپنے ہاتھ سے نہ
چھوڑنا۔ اس کو خوب مضبوط رکھنا۔ دوسری نصیحت یہ کہ فضل خدا سے
کبھی مایوس نہ ہونا۔ اُس کے کرم کا ہر وقت امیدوار رہنا۔ دیکھو پودہ
غیب سے کیا نمودار ہوتا ہے۔ اتنا خیال رہے۔ کہ تیری عجوبہ پر تیرے سے
زیادہ غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے۔ اور وہ بے اختیار اس پہاڑ کے نیچے دبی
جاتی ہے۔ اُن تک منہ سے نہیں نکال سکتی۔ کیا اُس نے ان صدقوں کو
خوشی سے نہ اٹھایا۔ کیا اُس نے اپنی آنکھوں سے دریائے بہاؤ۔ مگر وہ تجھ
سے زیادہ صابر ہے۔ ہاں جس وقت چاند کی ٹرین اسٹیشن پر پہنچی۔ تو
چاند نے ادھر کر ایک تانگہ کرایہ پر لیا۔ اور اپنے ماموں کے ہاں جا پہنچی
ابھی چاند کو دو روز بھی نہیں ہوئے۔ کہ منشی صاحب کا ایک خط بنام ولی محمد
(چاند کا ماموں) پہنچا۔ جس میں تمام ذکر تھا۔ کہ چاند تمہارے پاس اس غرض
سے بھیجی گئی ہے۔

الغرض ولی محمد کو خیال پیدا ہوا۔ کہ چاند کا اس حالت میں آکر یہاں
رہنا ٹھیک نہیں۔ اسی خیالات میں بیٹھے تھے۔ کہ ولی محمد کی بیوی نے درخت
کیا۔ کہ خیر ہے۔ آج آپ کس فکر میں غلطان ہیں جو روٹی تک اگر نہیں کھائی
آپ جلد نیچے آئیں۔ اور کھانا بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اور چاند نے بھی اب تک
نہیں کھایا۔

ولی محمد۔ چاند کو کہہ دو۔ کہ وہ کھانا کھالیں۔ اور مجھے آج بچھڑھوک
نہیں ہے۔

ولی محمد کی بیوی۔ تو کہہ دو کہ نیچے آکر تو بیٹھو۔ کہ بی بی بات چیت کرو۔

ولی محمد - کیا بتاؤں۔ آج یہ خط منشی صاحب کا آیا ہے۔ تم خود پڑھ لو اور اپنی رائے ظاہر کرو۔ کہ کیا کرنا چاہئے۔ ولی محمد کی بیوی نے خط پڑھا اور کہا کہ میری رائے تو یہی ہے۔ کہ چاند کو آج ہی واپس کرنا لے بیج دینا چاہئے اگر خدا نخواستہ یہاں بھی کوئی حرکت کر بیٹھی۔ تو ہماری سب کی ناک کٹ جاوے گی اور پرانے گھر کی بنیادی سخت ہوگی۔ میں کوئی عداوت سے نہیں کہتی۔ گو میں بہ نسبت تمہارے غیر ہوں۔ مگر تم ماموں ہو۔ تمہاری بھلائی کی کتنی ہوں آگے آپ کو اختیار ہے۔

ولی محمد - نہیں۔ میں تم کو غیر خیال نہیں کرتا۔ بزرگوں کا فرمان ہے۔ کہ اگر کوئی بہتر رائے ایک دشمن بھی دے۔ تو ضرور مان لینی چاہئے۔ بیشک تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔ اچھا آج ہی تم اس کی تیاری کر دو۔ اور محمد علی سے کہہ دو۔ کہ وہ بھی کرنا ل جائے کئے لئے تیاری کر لیوے۔ یہ مشورہ کر کے دو نو نیچے اتر آئے۔ اور محمد علی کو اُس کی والدہ نے دوسرے کمرے میں لے جا کر تمام حالات سے مطلع کیا اور کہا کہ تم آج شام کی ٹرین سے کرنا ل جاؤ گے۔

محمد علی (سوچ کر) بیشک تمہارا خیال درست ہے۔ مجھے کرنا ل جاتے میں کوئی عذر نہیں۔ اس گفتگو کے بعد دونوں اُس کمرے میں آئے۔ جہاں چاند اپنے رفیق کے خیال میں بیٹھی تھی۔ محمد علی کی ماں کھانے کی جلدی کرنے لگیں گیارہ بجے ولی محمد بھی آگئے۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ بعد فراغت طعام اس طرح گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔

ولی محمد - بیٹا چاند تمہیں آج شام کی ٹرین سے محمد علی کرنا ل چھوڑتے جاؤ گے۔ کیونکہ میرا ارادہ کچھ عرصہ کے لئے کلکتہ جاتے کا ہو گیا۔ اور ساتھ ہی تمہاری مامی صاحبہ بھی جائینگی۔ اور محض محمد علی گھر پر رہیگا۔ سو اس حالت میں تمہیں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں۔

چاند - ماموں جان جیسا آپ مناسب جانیں کریں۔ انا جان لے آپ کے سڑک والا آپ پروردگار کے حکم سے ہیں۔ چاند نے کہا کہ انکسوں میں آفسو بھر لائی۔ اور ولی محمد و محمد علی بھی آبدیدہ ہوئے مگر مجبور تھے۔ اس کے سوا اور

کیا نہ ہو سکتی تھی۔
محمد علی کی ماں۔ بیٹا چاند تم اوداس نہ ہو۔ کلکتہ سے واپس آ کر پھر تمہیں
 بلا لیتے رولی محمد کی طرف اشارہ کر کے تم ایک خط لکھ دو۔ محمد علی کا ٹریس
 وقت چلتی ہے۔

محمد علی۔ آٹھ بج کر پانچ منٹ پر چلی جاتی ہے۔ ہمیں سات بجے اسٹیشن پر
 پہنچ جانا چاہئے۔

محمد علی کی ماں۔ رولی محمد کے کان میں تو کچھ مٹھائی وغیرہ ساتھ دیدیں
 تو مناسب ہے۔

رولی محمد۔ ہاں ہاں۔ ضرور محمد علی کو دس روپیہ دیدے وہ لینے آئیگا۔ محمد علی
 کی ماں نے اُس کو دس روپیہ دیکر کہا۔ بیٹا جلد ہی آنا۔ مگر منشی صاحب کے
 لئے ایک تلمدان ضرور لیتے آنا۔ وہ بہت دفعہ مجھ کو کہہ چکے ہیں۔ رولی محمد سے کچھ
 اور منگوانا تو نہیں۔ شاید میں بھول گئی ہوں۔

رولی محمد۔ بس اور کیا منگوانا ہے۔ قلم دان ہی لانا ضروری تھا سو تم نے
 کہہ دیا ہے۔ اچھا اب تم ذرا سیری قلم دوات لاؤ۔ تاکہ خط بھی لکھ دوں پھر
 شاید فرصت ہو یا نہ ہو۔ محمد علی کی ماں نے قلم دوات لاکر سامنے رکھ دی۔
 اور رولی محمد خط لکھنے لگے۔

رولی محمد۔ ایک لفافہ بھی دو۔

محمد علی کی ماں۔ کہاں رکھے ہوئے ہیں۔

رولی محمد۔ شاید محمد علی کے منبر پر ہوں گے۔ محمد علی کی ماں نے ایک لفافہ بھی
 لاکر دیدیا۔ رولی محمد جب خط لکھ چکے۔ تو محمد علی سے کہا۔ کہ تم جلد جا کر ایک
 تانگہ لے آؤ۔ کیونکہ ۶ بجے ہیں۔ ریل پر جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ محمد علی ایک
 تانگہ کرایہ پر لئے آئے۔ اور تمام اسباب رکھ دیا۔ اور خود بھی سوار ہو گیا۔ محمد علی
 کی ماں نے چاند کو گلے لگا کر سوہ کر دیا۔ اور رولی محمد ریل پر پہنچ گئے۔ سیکنڈ
 کلاس کے دو ٹکٹ لے کر اُن کو بٹھلا دیا۔ اب یہ دو ٹکٹوں مسافر کرنا لکھ کر دیا
 ہوئے۔

ناظرین! ان کو تو ابھی سفر کرنے دو۔ آؤ ذرا چل کر کے پیارے سلیم کی حُرَج
 پر مٹی کوئیں اور دیکھیں کہ وہ اب کس شغل میں مشغول ہیں۔ آہ یہ بے چارے تو
 بدستور گم رہے زاری کر رہا ہے۔ اور باواؤ بلند جاؤروں کو کہہ رہا ہے کہ اسے اُڑنے
 والو پر بند۔ اگر تم میرا آخری پیغام میرے دل باکو جا کر دیدو۔ تو میں تمہارا تمام
 عمر احسان مند رہوں گا۔ اسے خدا کیا وہ دن دیکھنا نصیب نہ ہو گا۔ کہ میں
 پیاری چاند کے ساتھ تار کے بن کر اپنے دل کی انگلیں نکالوں۔ ہائے اس
 زندگی سے مرنا اچھا ہے۔ یہ کہتا ہوا اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا کہ جس ریل نے
 پیاری چاند کو میرے سے جدا کر دیا ہے۔ اُس ریل کے ہی نیچے اپنی جان دیدوں
 جب اسٹیشن پر پہنچا تو مشرق کی طرف سے ایک گاڑی آتی نظر آئی تو باواؤ
 کہنے لگا۔ کہ جس طرح تو میری پیاری محبوبہ کو یہاں سے لے گئی ہے۔ اُسی طرح
 میں تیری عنایت کا شکر گزار ہوں گا۔

حضرت عشق بھی کبھی اپنا جذبہ دکھانے دیتے ہیں۔ اُس کے جذب عشق
 نے اُس کی محبوبہ کو کوسوں سے کھینچ لیا۔ کیا اس کا جذبہ دل اتنی طاقت
 رکھتا کہ اسے اسٹیشن تک لے آتا۔ ہاں کیوں نہیں۔

صورتِ بلیل تر پتا تھا یہ جس کی یاد میں

گلشنِ آفاق کے سب پھول تھے اُس پر شا

ناظرین! سلیم نے پلیٹ فارم ٹکٹ لے کر انڈر گاڑی کے قریب بیٹھا گیا اور
 ہر مسافر کو دیکھنے لگا۔ مسافروں نے اپنا اپنا اسبابِ سہولت کرکٹ ہاتھوں
 میں لے لئے۔ تیلیوں نے اپنی مزدوری کا سواہ کرنا شروع کیا۔ کچھ مسافر اتر چکے
 اور کچھ اتر رہے ہیں۔ ہمارے نوجوان کے سر میں وہی سودا ریل کا کہ اگر میری محبوبہ
 کو لے کر آتی۔ تو اچھا ہوتا۔ میں صورت ہی دیکھ لیتا۔ میں پھلی گاڑی سے وہ
 کون آتا۔ جس کے پیچھے ایک نازنین بھی ہے۔ اچھا قریب آگئے گی۔ تو پہچان
 لوں گا۔ یہ تو میری پیاری چاند نظر آ رہی ہیں۔ آہ اب تو پہچان لیا۔

ناظرین! سلیم سے زیادہ ہم کو محبوب ہے کہ اس کے ہمراہ کون کون سے
 غور سے دیکھنے سے معلوم ہو کہ یہ چاند کا ناموں زاد بھائی ہے۔ اور اس کا نام غم

ہے۔ دن کا وقت روشن مقام پر دوڑنے کی ہمت نہیں چاہتا تو کہہ گیا۔ ایک ایک دوسرے پر نشانہ ہونے لگے۔ دل دھڑکنے ہاتھ پاؤں پھیلنے لگے۔ ایک قدم راستہ چاند کو پہنچا کر دیا۔ شوقی نظارہ نے وہیں بٹھا دیا۔

فتح علی (چاند کی حالت دیکھ کر) اٹھو یہاں کیوں بیٹھے گئیں۔ باہر چلو۔ کچھ سواری کا انتظام کروں۔ یہ جگہ ٹھہرنے کی نہیں۔

چاند۔ اچھا چلو۔ یہ کہہ کر چاند اٹھ کھڑی ہوئی۔ فتح علی نے ایک ٹکی کو آواز دی۔ اور تمام اسباب لے کر اسٹیشن کے باہر چلا آیا۔ سلیم کو یہ موقع اتنی دیر کا نظارہ اُس کی بے تابی کے لئے کم نہ تھا۔ مگر تھوڑی دیر بعد چاند کا بند گاڑی سے روانہ ہونا۔ اس کی جان پر خدا جانے کیا صدمہ پہونچا۔ اب ہمارا نوجوان عجیب جلوس کے ساتھ اپنے گھر جا رہا ہے۔ ادھر اسید ادھر یاسیوں پر کچھ ہنسی۔ لیکن دل اوداس قدم رکھنا کہیں ہے پڑتا کہیں ہے۔ (ایک منہ باندھ کر گھر کے دروازہ تک پہونچا۔ کہ خورشید کو گھر سے نکلنے دیکھ کر سنسکرایا۔ سلیم رہنمائی کر خورشید وہ پھر اور بھی سنسکرت خورشید۔

خورشید۔ میاں سلیم کیا بات ہے۔ ہنسی کا ہے کی۔ یہ خوشی کیسی۔ کیا آج کچھ راہ میں پڑا پایا۔

سلیم (رقمہ لگا کر) خورشید وہ آگئیں۔

خورشید۔ وہ کون آگئیں۔

سلیم (شرما کر) چاند اور کون؟

خورشید (حیرت سے) نہیں نہیں آپ کو دھوکا ہوا ہوگا۔ چاند میں کوئی اور عورت ہوگی۔ کیونکہ تمہاری طبیعت ہر وقت چاند کی طرف ہی رہتی ہے اسی لئے کہتے ہو۔

سلیم۔ کیا میں بے ہوش تو نہیں ہوں۔ میں نے ابھی طرح پہچان لیا ہے۔ اور ایک شخص اُن کے ساتھ تھے۔ پلیٹ فارم سے باہر نکل کر ایک بند گاڑی کرایہ کر کے چاند کو سوار کیا۔ اور روانہ ہوئے۔ میں اسٹیشن سے چلا آ رہا ہوں مگر میں اُس شخص سے ناواقف ہوں شاید تم واقف ہو

خورشید۔ (خوش ہو کر) خدا کے چاند ہی ہو۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سلیم۔ خورشید اگر تم کو میرے کہنے پر یقین نہ ہو۔ تو خود جا کر دیکھ آؤ۔
خورشید۔ نہیں۔ مجھے یقین آ گیا۔ مگر اس وقت جانا مناسب نہیں سمجھتی
ہوں۔ شاید اپنے دل میں وہ شک کریں۔ کہ یہ بھی اُسی کے ساتھ بندھی تھی
جو اس کے آتے ہی یہ بھی آمو جو د ہوئی۔ کل پرسوں تک جاؤنگی۔
سلیم۔ سو کچھ منہ سے) اچھا تم کو اختیار ہے۔ جب چاہو جانا۔ میں نے تو
دیکھا تھا۔ سو تم سے کہہ دیا۔

خورشید۔ تم ادو اس ہو کر کیوں کہتے ہو۔ اچھا کل ضرور جاؤنگی۔ خورشید یہ کہہ
رخصت ہوئی۔ ادھر سلیم پھوٹے نہیں سماتے۔ گویا وصل نہیں تو وصل کا کسی
نے مڑوہ سُنا دیا۔ جس سے گفتگو کرتے ہی پہلے ہنسی منہ پر آ جاتی ہے۔
سلیم۔ اماں جان۔ آج میں غسل کر لوں۔ کیونکہ کپڑے میلے ہو گئے ہیں۔
شہزادہ اُسی سلیم کی ماں اہاں ضرور خدا کا شکر ہے۔ کہ تمہیں اپنے کپڑے میلے
معلوم دئے نہانے کا ہوش آیا۔ سلیم نے غسل کیا۔ اور اس کی ماں نے صندوق
سے کپڑے نکال کر دئے۔ سلیم کپڑے بدل کر تیار ہوئے۔ جی میں آیا کہ دربار دار
کی سیر کریں گھر سے نکل کر دہلی دروازہ ہوتا ہوا میوہ منڈی میں پہنچا تو وہی
شخص جس کو ریل پر سے چاند کے ساتھ اترتے دیکھا تھا۔ سامنے سے چلا آتا
ہے۔ اب سلیم کو پورا موقع ملا۔

سلیم (قریب جا کر) تسلیم عرض ہے۔

شخص۔ حضرت۔ آداب عرض ہے۔ مزاج شریف۔

سلیم۔ احسان الہی۔ آپ نووارد معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کہاں سے تشریف
لے رہے ہیں۔ سلیم اگر چہ جانتا تھا مگر تجاہل عارفانہ۔

شخص۔ ہاں آپ کا خیال درست ہے۔ آج کی ہی رات کو آپ کے شہر میں
آیا ہوں۔ مجھے خیال ہوتا ہے۔ کہ میں نے اسٹیشن پر بھی آپ کو دیکھا تھا۔
سلیم۔ جب کبھی دلیہ آ جاتی ہے۔ تو اسٹیشن پر چلا جاتا ہوں مجھ کو آپ سے
نیاز حاصل کرنے کا شوق ہوا تھا۔ مگر آپ ایسی عجلت میں تھے۔ کہ مناسب

شخص۔ جی ہاں۔ زنانی سواری میرے ساتھ تھی۔ عورت کا سفر میں ساتھ نہ تو
دوڑخ کے عذاب کا مزہ چکھا دیتا ہے۔

سلیم۔ بیشک زنانہ سواری کے ساتھ ایسی ہی تکلیف ہوتی ہے۔ تو کیا آپ
سید اہل و عیال یہاں تشریف لائے ہیں۔

شخص۔ جی نہیں۔ میری پھنپی زاد بہن ہمارے ہاں گئی ہوئی تھیں ان کو
چھوڑنے آیا ہوا ہوں۔

سلیم۔ تو کیا آپ کی کرنال میں رشتہ داری ہے۔

شخص۔ جی ہاں۔ منشی الہ بخش صاحب میرے والد کے بہنوئی ہیں۔

سلیم۔ درست ہے۔ مگر ایک عرض کرتا ہوں غ

گر قبول افتد زہے عز و شرف

یہاں سے قریب میرا غریب خانہ ہے۔ بعد سیر بازار اگر آپ قدم رنجہ فرمائیں تو
بعد از عنایت تھیں۔

شخص۔ مجھے آپ کا فرمان بکا لانے میں کوئی عذر نہیں۔

سلیم۔ آپ کا کرم آپ کی عنایت۔ جب سلیم اور شخص دونوں میوہ منڈی سے
نئی بستی کی طرف جارہے تھے۔ تو راستہ میں جودل میں خیال ہوا کہ اتنی باتیں
تو ہوئیں۔ مگر ابھی تک ایک دوسرے کے نام سے واقف نہیں۔

سلیم۔ معاف کیجئے۔ آپ کی گفتگو ایسی پُر لطف تھی۔ کہ میں آپ کا نام نہایت
کرنا بھول گیا۔ جناب کا نام نامی واسم گرامی کیا ہے؟

شخص۔ واہ صاحب واہ۔ آپ مجھ سے معافی کیا چاہتے ہیں۔ مگر مجھ کو آپ
کے فرمانے سے زیادہ خیال اپنی بے وقوفی کا ہے۔ کہ بغیر آپ کا دریافت
کئے۔ دولت خانہ پر حاضر ہونے کو تیار ہو گیا عاجز کو محمد علی کہتے ہیں۔ حضور

کا اسم شریف۔

سلیم۔ جناب والا۔ عاصی کا نام سلیم ہے۔ ان فرض اسی طرح باتیں کرتے
جاتے تھے۔ کہ سلیم کے مکان کا دروازہ دکھائی دیا۔

سلیم (اور چاکر) اسے تشریف لائے۔
 محمد علی۔ حاضر ہوا۔ سلیم نے ایک نوکر کو پکار کر کہا۔ کہ حقہ بھر لاؤ۔ نوکر فوراً
 حقہ بھر لایا۔ اور پھر خا صمدان بھی آگیا۔

سلیم۔ (محمد علی کے سامنے رکھ کر) ملاحظہ فرمائے۔
 محمد علی۔ (ایک گلوہی اور الابیٹھی اٹھا کر) آداب عرض ہے۔
 سلیم۔ تو آپ کا یہاں کب تک قیام رہیگا۔

محمد علی۔ زیادہ سے زیادہ چار یوم۔

سلیم۔ رحیرت سے کل چار یوم۔

محمد علی۔ تو مجبوری ہے۔ ورنہ اور زیادہ ٹھہرتا۔

سلیم۔ نہیں جناب۔ کم از کم ایک ہفتہ تو آپ کو ضرور ٹھہرنا چاہئے۔ خیر
 جب آپ سفر کا ارادہ کریں گے دیکھا جائیگا۔ اب ایک عرض ہے
 مگر قبول افتد نہ ہے عز و شرف

محمد علی۔ ارشاد ہل و جان۔

سلیم۔ چونکہ آپ فرما چکے ہیں۔ کہ یہاں میری قرابت ہے۔ میں یہ نہیں
 کہتا۔ کہ آپ یہیں قیام فرمائیں۔ مگر التماس ہے۔ کہ کھانا کسی روز یہاں
 بھی تناول فرما کر میری عزت افزائی کریں۔

ناظرین۔ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ سلیم کا اس قدر تپاک سے ملنا
 اور ایسی گرم جوشی۔ سے پیش آنا۔ اُسی تجویز کی الفت کا اثر تھا۔ جس کو
 ایشین پر اس کے ہمراہ دیکھا تھا۔ ورنہ سلیم کہاں اپنی ہی خود داری نہیں ممکن
 تھی نہ کہ مہمان نوازی۔

محمد علی (کچھ سوچ کر) مجھے کیا عذر ہے۔ مگر زیادہ تکلف نہ کیجئے میں کل ضرور
 حاضر ہوں گا۔

سلیم۔ نہیں تکلف کچھ نہیں۔ مہمونی کھانا تو سب لوگ روز مرہ کھاتے
 ہیں۔ اگر ایک دو چیزیں کسی روز زیادہ ہو گئیں۔ تو تکلف نہیں۔

محمد علی۔ بن بستر سے اس کا فی ہے۔ تو آپ روز مرہ کھاتے ہیں۔

زیادہ سامان نہ کیجئے۔ اور اسبابِ جانیت دیں۔
سلیم رخصتدان بڑ ہا کر بہت اچھا۔ پان تو اور کھا لیجئے۔ غرضیکہ محمد علیؑ
اٹھا اور سلیم ساتھ ہوا۔

محمد علیؑ۔ تو آپ تکلیف نہ کریں۔ میں چلا جاؤں گا۔
سلیم۔ ہمیں کیا تکلیف ہے۔ القسطہ محمد علی کے اصرار سے سلیم منشی صاحب
کے گھر کا راستہ بتا کر واپس آ گیا۔

ناظرین جس وقت محمد علی معہ چاند منشی صاحب کے مکان پر پہنچے
منشی صاحب نہ تھے۔ چاند کی والدہ دیکھ کر حیران ہو گئیں۔ مگر مصلحتاً چاند
کے آنے کا سبب نہ پوچھا۔ محمد علی نے جو تحائف بنارس سے لایا تھا چاند
کی ماں کے سامنے رکھ دئے۔ اور خط جو منشی صاحب کے نام کا تھا اس
کو بھی دیدیا۔ غرضیکہ محمد علی کے باہر جانے تک منشی صاحب گھر میں نہیں آئے
تھے۔ جب آئے۔ تو چاند کو دیکھ کر اتنا متعجب نہ ہوئے۔ جتنا خط کی عبارت
کو پڑھ کر حیران و خاموش ہوئے۔

مضمون خط

جناب منشی صاحب مخدوم و مکرم دام عنا شکم
آپ کا والا نامہ شرفِ صدور لایا۔ چاند کا جو مال تحریر کیا ہے۔ وہ میں
نے سمجھ لیا۔ فی الحقیقت یہی مصلحت تھی۔ جو آپ عمل میں لائے۔ یہاں
اسی ہفتہ میں چند ایک ایسی واردات گزری ہیں۔ جس کے سبب سے چاند
کا یہاں رہنا مناسب نہ سمجھ کر بر خوار محمد علی کے ہمراہ آج کی ٹرین سے کرنال
روانہ کرتا ہوں تاکہ آپ کی امانت آپ کے پاس پہنچ جائے۔ اور مجھے آپ
کی رائے اس معاملہ میں پسند نہ آئی۔ میری رائے میں بہت مناسب ہے
کہ آپ چاند کی شادی ضرور دیں کر دیں۔ جہاں کی نسبت آپ کو انکار ہے
اور والدہ محمد علی سے میں نے ذکر کیا تھا۔ انہوں نے میری رائے سے اتفاق
کیا۔ اگر آپ کو کوئی امر قابلِ اعتراض ہے۔ اور موافق زمانہ نہیں ہے۔ تو میں

دوستانہ کمال و دراندیشی سے آپ کو اپنے دوستوں سے کہ آپ ضرور چاند کی
شادی وہاں ہی کر دیں۔ ورنہ انجام اچھا نہ ہو تو سوائے دولت اور رسوائی
کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ پھر ایسا موقع نہ ملے گا۔ آئندہ آپ دانا نہیں۔ واپس
منشی صاحب کے خط پڑھنے کے بعد ان کی بیوی نے دریافت کیا
کہ خط میں کیا لکھا ہے؟

منشی صاحب - تمہیں کیا غرض خط سے خواہ کچھ لکھا ہو۔
منشی صاحب کی بیوی - ہمیں کچھ نہیں۔ اخیر کب تک نہ بتاؤ گے
ابھی محمد علی آجاتا ہے۔ میں خود دریافت کر لوں گی۔ خدا معلوم کہ آپ کی طبیعت
کیسی ہے۔ اسی گفتگو میں محمد علی نے دروازہ پر آواز دی۔

منشی صاحب - محمد علی آجاؤ۔
محمد علی - اندر آکر منشی صاحب کی طرف جھک کر آداب عرض ہے۔
منشی صاحب - وعلیکم السلام۔ محمد علی اچھی طرح ہو۔ سب بخیریت ہیں۔
تمہاری والدہ اور تمہارے والد اچھے ہیں۔
محمد علی - جی ہاں سب بخیریت ہیں۔

منشی صاحب کچھ عرصہ گفتگو کے بعد باہر چلے گئے۔ اور منشی صاحب
کی بیوی نے اس طرح گفتگو کرنی شروع کی۔
منشی صاحب کی بیوی - کو بیٹا خط میں کیا لکھا ہوا تھا مجھے بھی
تو پتہ لگے۔

محمد علی - محض چاند کی واپسی کے متعلق تھا۔ کہ اس وجہ سے جلدی واپس
کرنا بھی جاتی ہے۔
منشی صاحب کی بیوی - اخیر وجہ ہی بتا دو۔ کہ کیا وجہ ہے جو چاند
جلدی واپس آگئی۔

محمد علی نے تمام حال بخوبی بیان کیا۔ جس کو سنکر منشی صاحب کی
بیوی کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ اور دل میں ہزاروں واہم اُٹھتے تھے۔ کہ
مبادا چاند کے ساتھ بھی خدا نخواستہ کوئی ایسا سانحہ پیش آجائے تو پھر کیا تدبیر

ہو سکے گی۔ بہتر یہی ہے کہ نور شیدی رائے ضرور لوں جیسا وہ کہے اُس کے مطابق عمل کروں۔

الفرض منشی صاحب کی بیوی یہ مشورہ دل میں کر کے معہ محمد علی نیچے اُتر آئیں۔ منشی صاحب نے اپنی بیوی کی پیشانی کے شکنوں سے معلوم کر لیا کہ سب حال سے آگاہی ہو گئی ہے۔ کچھ منہ سے نہ کہا اور نہ دریافت کیا۔ کچھ عرصہ بعد حکم دیا کھانا لاؤ۔ محمد علی کی طرف اشارہ کر کے لو بھائی اب کھانا کھا لو۔

محمد علی بہت اچھا منشی صاحب کی بیوی نے دسترخوان پر بچھا دیا کھانا کھاتے کے بعد منشی صاحب نے حقہ بھرا کر سامنے رکھ لیا۔

منشی صاحب۔ محمد علی تم بھی حقہ پیتے ہو؟

محمد علی۔ حضور ملاحظہ فرمادیں۔

منشی صاحب۔ تو اچھا میں کچھ عرصہ آرام کر لوں۔ تم بھی سو رہو کیونکہ ریل کی تکان۔ دوسرے گرمی کا موسم۔ تیسرے کھانا کھا کر لیٹنے سے کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ منشی صاحب یہ کہہ کر لیٹ رہے۔ اور محمد علی بھی سو رہا۔

ناظرین۔ یہاں ان سب کو سوتا چھوڑ کر ہم اب سلیم کی طرف چلتے ہیں۔ کہ ستم رسیدہ تسلیم کو آج کل کیا مشغول ہے۔ جس وقت یہ اپنے مہمان کو منشی صاحب کے گھر کا راستہ بتا کر واپس ہوا۔ تو گھر تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ اور ول میں ہزاروں مشورے و دعوت کے بارے میں کرتا ہے کہ دعوت میں کوئی سامان تکلف کا باقی نہ رہ جائے۔ انہیں خیالات میں گھر پہنچا۔ کھانا کھا کر جب پلنگ پر لیٹا۔ تو انہیں خیالات کا مرقع و باغ میں پیش نظر تھا۔ کبھی سوچتا تھا کہ کیا اجاب سے اس دعوت کے متعلق مشورہ لینا چاہئے۔ کبھی یہ خیال ہوتا کہ مبادا کوئی راز کی بات کھل گئی تو سخت مشکل ہوگی۔ آخر بہت ہی پس و پیش کے بعد یہ بات قائم ہوئی۔ کہ اس کا ذکر اپنی ماں سے ضرور کرنا چاہئے۔ تاکہ آئندہ کے واسطے کسی غلط

بات کی روک تھام ہو جائے۔ نصف شب سے زیادہ گدگد چکی ہوگی۔ کہ صبح کا
انتظار خوشی اضطراب کیا سونے دیتا ہے۔ اسی بے قراری میں صبح ہو گئی
اور مرغ نے بانگ دی۔ تب سلیم نے سوچا۔ کہ یہ ایک اچھا وقت ہے۔ بہتر ہو
کہ اب والدہ سے اس کا ذکر کروں۔ دن میں شاید موقع ملے یا نہ ملے۔ شاید یہ
خیال کر کے اپنے پلنگ پر سے اٹھا۔ اور اپنی ماں کے پلنگ کے قریب جا کر۔
سلیم۔ اماں جان۔ اماں جان۔ اٹھو۔ صبح ہو چکی۔

شہزادی۔ ہاں سلیم اٹھتی ہوں خیر ہے؟

سلیم۔ ہاں میں اچھا ہوں مگر کچھ کمنا ہے۔

شہزادی۔ تو کہہ تو رہی ہوں۔ بتاؤ کیا کمنا ہے۔

سلیم۔ اماں جان وہ آگئے ہیں۔

شہزادی۔ کون ہیں؟ کچھ اُن کا نام بھی ہو۔

سلیم۔ میں نے دریافت کیا تھا۔ محمد علی ہے۔ بنارس سے منشی صاحب

کے گھر ٹکھڑے ہیں۔ اور اُن کو اپنا رشتہ دار بتاتے ہیں۔

شہزادی (سوچ کر) ہاں میں سمجھ گئی۔ چاند کے ماموں زاد بھائی

ہیں۔

سلیم۔ کل جو میں نہادھو کر بازار گیا۔ تو ملاقات ہوئی۔ میں نے اُن

سے دعوت کے لئے کہا۔ یا ہمہ اُنہوں نے منظور بھی کر لیا ہے۔

شہزادی۔ یا الہی تو اس کا تردد کیا ہے۔ اچھا کیا جو دعوت کر دی۔ ایسا

بہی ہوا کرتا ہے۔

سلیم۔ مگر میں چاہتا ہوں۔ کہ ذرا تکلف کے ساتھ دعوت ہو۔

شہزادی۔ ہاں جیسی تمہاری خوشی ہوگی۔ تمہاری مرضی کے موافق

زیادہ تکلف ہو جائے گا۔ مگر آج کے لئے تو نہیں کہا ہے۔

سلیم۔ نہیں۔ میں نے کوئی دن مقرر نہیں کیا۔

شہزادی۔ چلو اچھا کیا۔ کہ کئی دن مقرر نہیں کیا۔ اگر آج کے لئے کہا ہوتا

تو ذرا مشکل ہوتا۔

چھٹا باب

بچ بے اس تک بہتر دروہے درماں سے خوب

ہم ہیں عاشق نام کو خبر بچ و محن کیا چاہئے

صبح کا وقت حقیقت میں بہت ہی دلپسند اور سہانا ہوتا ہے۔
 نسیم سحر کا چلنا۔ چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر
 جھک کر بیٹھنا بہت ہی دل آویز ہے۔ آفتاب عالم تاب علی الصبح شیشے کی
 طرح چمکتا ہوا مشرق سے نکلا۔ اور اپنے رُخ روشن کے جلوے دکھاتا ہوا خزانہ
 خزانہ آگے بڑھا۔ اس وقت بجے ہیں۔ سورج کی شعاعیں کسی معشوق کی
 کج روائی کی طرح بالکل ترچھی ہیں۔ غرض یہ جو کچھ ہے۔ صبح کی بدولت ہے
 تھوڑی دیر بعد نہ تو آفتاب میں وہ بانگین رہیں گے۔ اور نہ ہی نسیم سحر کا پتہ لگ
 سکیگا۔ کرنیں بھی راہ راست پر آکر سیدھی ہو جائیں گی۔ اور نسیم سحر بھی بھیس
 بدل کر چلنے لگے گی۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

ہر کمالے راز والے ہر زوالے راکمالے

دنیا بالکل بیچ ہے۔ غور کیا جائے۔ تو معلوم ہو سکتا ہے۔ ورنہ کچھ نہیں۔ آہ
 وہ حکیم لقمان کہاں۔ رستم و سہراب کہاں

کہاں سکندر کہاں وہ دارا کہاں فریدوں وہ جم کہاں ہے
 تھے جھنڈے جن کے دوارے تھوڑے بتا دو ان کا نشان کہاں ہے

آہ۔ اس ناپائدار دنیا پھر ہرگز بھروسہ کرنا نہ چاہئے۔ یہ ایک ٹھٹھکی
 چھاؤں ہے۔ مگر کبھی خالق حقیقی معبود مطلق کے فضل و کرم سے مایوس نہ
 ہونا چاہئے۔ گدا کو بادشاہ کرنا اُسی کا کام ہے۔ اُسی کا نام کار ساز ہے۔ اُس
 نے بڑے بڑے کام بنائے اور بناتا ہے۔ سلیم ہی سوچ کر خدا سے لو لگائے بیٹھا
 ہے۔ اور نہ معلوم کن کن امیدوں نے اس کو مجبور کیا ہے۔ جو اُس نے
 محمد علی کی وصیت کا ارادہ کیا ہے۔ رات تو بے قراری سے گزاری صبح ہی

ارادہ کیا کہ کس طرح محمد علی سے پھر اس کے واسطے کوئی دن
مقرر کروں۔ یہ سوچ کر گھر سے نکلا۔ اور میوہ منڈی کا راستہ لیا۔ کہ شاید
اس کا نیا دوست سیر کرتا ہوا چلا آئے۔ وہاں جب دو گھنٹے کا انتظار میں
گزرے۔ تو یاس نے واپس گھر جانے کی اجازت دی۔ مگر ٹھوڑی ہی دور
چلا تھا۔ تو سامنے ایک پان والے کی دوکان پر اُس کا نیا دوست نظر آیا۔
اگرچہ سلیم کو اپنا مطلوب دیکھ کر خوشی ہوئی۔ مگر منشی صاحب کو ہمراہ دیکھ کر
انتہاءِ جبر کی مایوسی ہوئی۔ لیکن کبھی شوقِ ملاقات اُس کا قدم آگے بڑھا
دیتا تھا۔ کبھی غیرت اُلٹے پاؤں لوٹا دیتی تھی۔ سلیم بے حیائی کا جامہ پہن کر
ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ یہاں محمد علی کی نظر سلیم پر پڑی۔ وہ بڑے تپاک سے
آگے بڑھا۔ منشی صاحب کی تعجب نیز آنکھوں کو دیکھ کر شرم کے مارے
منہ پھیر لیا۔

محمد علی۔ حضرت! تسلیمات۔ یہ میری کمش ہے۔ جو آپ کی قدیموسی
حاصل ہوئی۔ اس کو میں اپنی خوش نصیبی کا باعث سمجھتا ہوں۔
سلیم۔ آپ کی ٹھوڑی دیر کی ملاقات نے مجھ کو اس قدر گرویدہ کر لیا
ہے۔ یہی جی چاہتا ہے۔ کہ آپ ہر وقت پیش نظر رہیں۔ میں آپ کی قدیموسی
کا شائق تھا۔

محمد علی۔ یہ تو آپ کی قدر دانی ہے۔ جو آپ مجھ کو ایسا عزیز سمجھتے ہیں۔
سلیم۔ واہ جناب۔ یہ تو آپ کے فرمانے کی باتیں ہیں۔ اگر میں اپنی نسبت
ایسے الفاظ کہوں تو مناسب ہے۔ ایک تو آپ بڑے خلیق اور قابل ہیں۔
دوسرے منشی صاحب کے عزیز۔ اب آپ ہی فرمائیں۔ کہ آپ کو وہ کلمے جو
ابھی ابھی آپ نے فرمائے ہیں۔ زبان پر لانے نہ بیاہیں یا مجھ کو۔ خیر جناب
کو کچھ اپنے وعدہ کا بھی خیال ہے؟

محمد علی۔ ہاں ہاں۔ جناب خیال کیوں نہیں ہے۔ مگر اگر آپ کے ارشاد
فرمانے سے میرا ارادہ تھا۔ کہ تعینِ یوم کے واسطے کچھ گفتگو کی جائے
مگر حضور کی دلچسپ باتوں نے اس قدر مجھے مجبور کیا۔ کہ مطلب کی بات

نہ کہہ سکا۔
 سلیم۔ تعین یوم کے گذارش یہ ہے کہ اگر آپ کل بوقت شام بعد مغرب
 تشریف لا کر ممنون فرمادیں۔ تو بعد از بندہ نوازی نہ ہوگا۔

محمد علی۔ جو ارشاد عالی ہو۔ بندہ تعمیل کے لئے بسر و چشم حاضر ہے
 سلیم۔ ایک التماس اور ہے۔ اگر قبول ہو۔

محمد علی۔ فرمائے۔ وہ کیا؟

سلیم۔ اگر منشی صاحب بھی غریب خانہ پر تشریف لا کر مجھ کو مرہون بنت
 فرمائیں۔ تو میں عمر بھر احسان نہ بھولوں گا۔

محمد علی۔ اس کی نسبت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ منشی صاحب آپ کے پاس
 کھڑے ہیں۔ آپ خود دیکھ کر لیں۔

منشی صاحب۔ مجھے آتے ہیں تو کوئی دریغ نہیں۔ مگر بوجہ عذیم لائق
 مجبور ہوں۔

سلیم۔ کچھ دیر خاموش رہ کر اگر آپ تشریف لائے کی کوشش فرمائیں گے
 تو مجھ سے یہ ہے کہ آپ یقیناً شریک ہو سکتے ہیں۔

منشی صاحب۔ میں وعدہ نہیں کرتا۔ ہاں البتہ فرصت ملی تو
 چلا آؤں گا۔

سلیم (محمد علی کی طرف مخاطب ہو کر) منشی صاحب کا آنا آپ کی کوشش
 پر منحصر ہے۔

محمد علی۔ میں کوشش کروں گا۔ مگر منشی صاحب کو مجبور نہیں کر سکتا۔

سلیم۔ مجھے یقین ہے کہ منشی صاحب کو مجبور کرنے کی ضرورت بھی نہ
 پڑے گی۔ محض آپ کا ایک دو مرتبہ کہنا ہی کافی ہوگا۔ یہ کہہ کر سلیم اپنے گھر

کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر محمد علی منشی صاحب کے ہمراہ دوسری جانب واپس
 ہوا۔ لیکن منشی صاحب کو محمد علی و سلیم کی گفتگو سن کر تعجب ہوا۔ اوریوں گویا

ہوئے۔

منشی صاحب۔ تمہاری ان سے کب سے ملاقات ہے۔ اس سے

پہلے تو شائد تم کو کمال آنے کا اتفاق نہیں ہوا۔
 محمد علی۔ جی ہاں کل ہی دن سے ملاقات ہوئی ہے۔ مگر آدمی تو خلیق اور
 لائق معلوم ہوتے ہیں۔ بے چارے مجھ کو اپنے ہمراہ مکان پر لے گئے تھے
 وہاں انہوں نے دعوت کے واسطے بہت اصرار کیا تھا۔ میں نے قبول کر لی
 آپ کا بھی شریک ہونا میرے نزدیک بہتر ہوگا۔

منشی صاحب۔ بیشک شریف خاندان سے ہیں۔ مگر اس قدر اتحاد
 کا ہونا اور اس اخلاق سے پیش آنا ضرور کچھ نہ کچھ مصلحت ہے۔
 محمد علی۔ مصلحت کیسی۔ کیا دنیا میں کوئی کسی سے بے غرض نہیں
 ملتا۔

منشی صاحب۔ ہاں یہ خوب جان لو۔ کہ بے مطلب کوئی کسی کے
 کھڑے ہونے کا روادار نہیں۔

محمد علی۔ یہ تو میں عرض نہیں کرتا کہ جو آپ نے فرمایا وہ محض غلط ہے
 مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ دنیا میں ایک مزاج کے سب آدمی نہیں ہوتے

نہ ہر زن زن است نہ ہر مرد مرد

خدا بنج انگشت یکاں نہ کرد

منشی صاحب۔ مگر زیادہ تر لوگوں کی طبیعتیں اسی طرف مائل ہیں۔
 جیسا میں نے کہا ہے۔ شاید پانچ فیصدی ایسے ہوں گے۔ جو بے غرض
 کسی سے ملتے ہوں۔ لیکن سلیم کا تم سے ملنا کوئی خاص سبب ہے منشی
 صاحب یہی گفتگو کرتے ہوئے گھر پہنچے۔ کپڑے اتار کر کھونٹی پر لٹکا
 دئے۔ اور محمد علی کے پاس چار پائی پر جا بیٹھے۔

محمد علی۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ معلوم کروں کہ سلیم کی وجہ سے
 ملنے میں کیا غرض ہے۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ اور امید ہے کہ سلیم کے مدد سے
 دلی سے آپ آگاہ کریں گے۔

منشی صاحب۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ سلیم کی تم سے ملنے میں کیا
 غرض ہے۔ عام طور پر میں نے کہہ دیا تھا۔

محمد علی۔ آپ ایسا خیال ہرگز نہ کریں۔ مجھے یقین نہیں کہ وہ شخص خود غرض ہے۔

منشی صاحب کی بیوی، منشی صاحب سے مخاطب ہو کر یہ کس سلیم کا ذکر ہے۔ وہی سلیم جو تمہارا شاگرد تھا۔ منشی صاحب۔ ہاں وہ سلیم کا ذکر ہے۔ منشی صاحب کی بیوی۔ تو پھر اب اُس کا کیا ذکر ہے۔ تم کوئی اور گفتگو کرو۔

محمد علی۔ تو کیا وہ آپ کا ہی شاگرد ہے۔ آدمی قابل ہے۔ کیوں نہ ہو آپ کی صحبت کا فیض ہے۔ منشی صاحب۔ بیشک آدمی تو قابل ہے۔ لیکن عادات اچھے نہیں۔

محمد علی۔ ظاہر میں تو شریف معلوم دیتے ہیں۔ مگر باطن خدا کو معلوم ہو رہا ہے اگر آپ کو اُس کی بد چلنی کا حال معلوم ہو۔ تو مجھ پر بھی ظاہر کر دیں ہاں مجھے ایک شک ہے۔ شاید وہ ٹھیک ہو جو آپ عموماً خطوں میں نام لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ کیا وہ تو نہیں۔ اگر وہی ہے۔ تو میں نہایت آرزو کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ کہ اس کا مفصل قصہ بیان فرمائے۔ اُدھر پیاری ستم رسیدہ چاند بھی اپنے پلنگ پر لیٹی ہوئی گوش گوش اس کے تلو کو سن رہی ہے۔ دل کو ہزاروں طرح کے خیال لاکھوں وسوسہ پیدا کرتے ہیں۔ جب کبھی خیال پیارے سلیم کا آجاتا ہے۔ تو آنکھوں سے آنسو ٹپک جاتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی خیال آتا ہے۔ کہ شاید محمد علی کی باتوں سے کوئی نیا ستم مجھ مصیبت زدہ پر نہ صاف ہو۔ کبھی یہ اُمید اُس کا قلمیہ ٹھنڈا کرتی ہے۔ کہ شاید کوئی اچھی اور بہتر تدبیر نکل آئے۔ کہ منشی صاحب میری دلی خواہش پوری کرنے کے لئے آمادہ ہو جاویں۔ تو اس درد فراق سے رہا ہو کر آئندہ زندگی عیش و عشرت سے گذاروں سچ ہے۔ مصیبت سے وقت کوئی کسی کا نہیں بنتا۔ اور مرتے وقت آنکھوں کی پتلیاں بھی پھر جاتی

ہیں۔ جب چاند کے دل میں ویسا کی بے خبری ثابت ہو گئی۔ تو اس نے ارادہ کر لیا۔ کہ چاہے جو کچھ ہو۔ مجھ سے جیسا کہیں گے۔ ویسا جواب پائیں گے۔ اور غم فراق میں مرنا ہے۔ آخر مرنا ہے۔ آہ

حسرت تھنا آرزو دار مان جا چکے

اب میں بھی جلتے والی ہوں مان تو جا چکے

والدین میرے ساتھ کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ کہ مجھے زہر دیکر سلا دیں۔ مگر ان کا زہر دینا بھی میرے حق میں شریاق کا کام کر دیتا۔ اور آزار محبت کی ہمیشہ کے لئے آرام ہو جائیگا۔ یہ سوچکر اپنے نہیں ہر طرح سے کام کے لئے آمادہ کر لیا۔ اور ہنسی صاحب نے محمد علی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا ہے۔ اُن کے چہرے سے یہ نظر نہیں ہو رہا ہے کہ اس وقت دریا سے فکر میں غوطہ اُڑا رہی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد بولے۔

منشی صاحب۔ ہاں بھائی یہ وہی سلیم ہے۔ القصد منشی صاحب نے تمام سرگزشت اول سے لے کر اخیر تک لکھا جس کو سنکر محمد علی حیران ہو گیا۔

محمد علی۔ خاموش رہ کر تو آپ کیوں نہیں چاند کی شادی سلیم سے کر دیتے۔

منشی صاحب۔ میں انکار کر چکا ہوں اب مجبور ہوں۔ ہاں اگر تم چاند کو سمجھا دو۔ کہ وہ باز آجائے۔ تو اچھا ہے۔ یہ کہنے نہ پائے تھے کہ دروازہ پر کسی شخص نے آکر آواز دی۔ منشی صاحب تو یا ہر حال گئے۔ اور اب وہاں منشی صاحب کی بیوی اور محمد علی سوچ رہے ہیں۔ کہ کیا کرنا چاہئے اگر خدا نخواستہ چاند نے کوئی نیا گل کھلا دیا تو مشکل ہو جائیگی۔ محمد علی۔ میری رائے تو یہی ہے۔ کہ سلیم کے ساتھ چاند کی شادی کر دی جائے۔ ورنہ نتیجہ بُرا ہو گا۔

منشی صاحب کی بیوی۔ میرے نزدیک تمہاری رائے بہت اچھی ہے۔ اگر منشی صاحب مان لیں۔ مگر میرا کہنا وہ نہ مانیں گے۔ ہم تم دونوں

کہیں تو بہتر ہو گا۔ اگر وہ بھی کہہ گئے ہیں۔ کہ چاند کو سمجھانا۔ اگر وہ پوچھیں کہ تم نے اُس کو سمجھایا۔ تو اُس نے کیا جواب دیا۔ پھر کیا کہو گے؟
 محمد علی۔ میرا دل گواہی نہیں دیتا۔ کہ وہ سمجھ جائے۔ خیر اُس کو بلاؤ
 شاید منشی صاحب کی تدبیر کچھ فائدہ مند ہو۔

منشی صاحب کی بیوی نے چاند کو بلا کر سمجھایا کہ یہ تو نے کیا آفت
 ڈھائی ہے۔ تجھ کو ہم پر رحم نہیں آتا۔

چاند۔ میں خود واجب الرحم ہوں۔ کسی پر کیا رحم کر سکتی ہوں۔
 منشی صاحب کی بیوی۔ اگر واجب الرحم ہے اپنے گنوں سے نہ کہ
 ہمارے سبب سے لیکن ہماری مصیبت تیرے باعث ہے۔

چاند۔ خدا نخواستہ تم پر کوئی مصیبت نہیں۔ بلکہ میرے اوپر ہزاروں
 بلائیں نازل ہو رہی ہیں۔ اور صرف تمہیں لوگوں کی ہربانی سے
 منشی صاحب کی بیوی۔ او بے شرم بے غیرت بالکل غیرت کا
 پردہ اکٹھا کیا۔ بقول۔ اُٹا چور کو قوال کو ڈانٹے۔ کیا زمانے پر پتھر
 پڑے ہیں۔

چاند۔ ہاں ہاں۔ ضرور پتھر پڑے ہیں۔
 منشی صاحب کی بیوی (چاند کی ماں) اسے بیٹی خدا سے ڈراور
 جینے کی باتیں کر۔ میں اندھی نہیں ہوں۔

چاند۔ مجھے کیا خبر۔

ماں۔ تو پھر تو نے کس طرح کہا۔

چاند۔ اگر کہا تو کیا جھوٹ کہا۔

ماں۔ جھوٹ نہیں تو سچ کہا ہے۔

چاند۔ میرے نزدیک سچ ہے۔ تم تو خواہ مخواہ میرے پیچھے پھاگوشی ہو
 میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ لو میں جا کر سوئی ہوں۔

ماں۔ بیٹا محمد علی دیکھتے ہو تم اس بے حیا کی باتیں جی میں آتا ہے۔ اس
 کا اور اپنا خون کر ڈالوں۔ (چاند سے) چل دو رہو۔ مجھے اپنی صورت

ست دکھا۔

چاند۔ اماں جان۔ جب تک میں گھر رہوں گی۔ تو ضرور صورت دکھائی دے گی۔ اور اگر گھر سے نکال دو گی۔ تو البتہ میری صورت نہ دیکھ سکو گی۔

ماں۔ بس زیادہ بچو اس نہ کر اور دور ہو۔

محمد علی۔ چاند تجھے کیا ہو گیا ہے اپنی ماں سے ایسی بے ہودہ گفتگو۔

چاند۔ مجھے تو کچھ نہیں ہوا۔ اماں جان کو کبھی کبھی دورہ ہوتا ہے شاید اس وقت بھی ہو گیا ہو دے۔

محمد علی۔ چاند تو بڑی بے وقوف ہے۔ سوچ سمجھ کر بات نہیں کرتی جو منہ پر آجاتی ہے کہہ دیتی ہو۔ تو نے کیوں ان کو تار کھا ہے۔ جہاں میری شادی کرتے ہیں۔ تو کیوں رضا مند نہیں ہوتی۔

چاند۔ چہ خوب۔ میں نے ان کو ستایا نہ کہ انہوں نے مجھے ستایا ہے تم بھی ذرا خیال کرو۔ کہ میں ہزاروں ان کی باتیں مانتی ہوں اور ماننے کے لئے تیار ہوں۔ مگر یہ میری ایک خوشی کیوں نہیں کرتے۔ یہ جواب سنکر محمد علی دنگ رہ گیا۔ اور حیرت سے چاند کو دیکھنے لگا۔ اور چاند اپنی جگہ پر وہیں جا بیٹھی۔

محمد علی۔ چاند کو سمجھانا فضول ہے۔ جو میں نے کہا تھا۔ وہی ہوا اب اس کی باتوں پر نہ جاؤ۔ یہ تو بے وقوف ہے۔ منشی صاحب سے کہنا کہ ہم نے سمجھایا تھا۔ لیکن چاند نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی رہی۔

منشی صاحب کی بیوی۔ تمہارے کہنے سے کمدوں کی۔ خیر مگر تم نے اس کی باتیں نہیں۔

محمد علی۔ ماں ہاں کیا کیا جاوے۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہے۔ محمد علی کی زبان سے یہ لفظ نہ ہو سکتا تھا۔ تو روزوارہ پر کسی کی آہٹ ہوئی

دیکھا کہ منشی صاحب آگئے ہیں۔ انہوں نے آئے ہی ہاتھ منہ دھویا اور کھانا طلب کیا۔ محمد علی اور منشی صاحب نے مل کر کھانا کھایا جب کھانے سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے۔

منشی صاحب۔ تم لوگوں کی چاند کے متعلق کیا رائے ہے محمد علی۔ یہی رائے ہے کہ چاند کی شادی ہو جائے۔

منشی صاحب۔ کہاں؟

محمد علی۔ جہاں کی نسبت تمہیں انکار ہے وہاں۔

منشی صاحب۔ میرے خیال میں تم نے اس معاملہ میں غور نہیں کیا ورنہ ایسا نہ کہتے۔

محمد علی۔ آپ کا خیال غلط ہے۔ ہم نے تو بہت غور کر لیا ہے۔ خورا آپ بھی غور کریں۔

منشی صاحب۔ میں بہتر شاید تم کو کہہ چکا ہوں۔ کہ چال چلن اچھا نہیں۔

محمد علی۔ چال چلن کی نسبت فقط وہی بات ہے۔ جس کا جھگڑا پڑا ہے اور کوئی اس میں عیب نہیں۔

منشی صاحب۔ کیا یہ عیب کم ہے۔

محمد علی۔ مگر یہ عیب بد چلنی میں داخل نہیں۔

منشی صاحب۔ کیا اس کو بد چلنی نہیں کہتے؟

محمد علی۔ بد چلنی تو جب کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہر کسی کے ساتھ سلیم کا دیا ہی برتاؤ ہو۔

منشی صاحب۔ ایک تم نہیں۔ زمانہ بُرا کہتا ہے۔

محمد علی۔ اگر زمانہ بُرا کہتا ہو تو کیا حقیقت دیکھنی چاہئے۔

منشی صاحب۔ تو اچھا کل اس کی نسبت کچھ طے کریں گے یہ کہہ

منشی صاحب باہر کو چلے گئے۔ اور محمد علی کو بھی ساتھ لے گئے۔ بے چاری

چاند یہ کہتا ہے کہ ستور ساتھ گریہ زاری کرنے لگی۔ اور اس کے دل میں

کامل یقین ہو گیا۔ کہ میں اپنی منزل مقصود کو نہ پہنچوں گی۔ افسوس
 صدر افسوس۔ آہ پیارے سلیم۔ میرا قصور معاف کرنا۔ میں بالکل بی قصور
 ہوں۔

اے موت۔ تو کیوں نہیں آتی۔ آہ میری وجہ سے پیارے سلیم
 کی جوانی خاک میں مل رہی ہے۔ بہتر ہے۔ کہ خود کشی کر کے اس دنیا
 فانی سے چل بسوں۔

جلاتی ہے برہ کی آگ ٹھنڈی سانس بھرتی ہوں
 مصیبت وہ پڑی مجھ پر نہ جیتی ہوں نہ مرتی ہوں

ناظرین

مطالعہ کے لئے دو سراسر حصہ پتہ ذیل سے طلب فرماویں۔

رام داس۔ مالک بھاٹیہ ایک ایجنسی

لوہاری گیٹ

لاہور

مختصر فہرست کتب موجود بھائیہ بک ڈپو لوہاری وائے لاہور

کونٹ آف مانٹی کر سٹو

موتیوں کا جزیرہ

بنولین بونا پارٹ کا زمانہ جب اُس نے الہا سے آکر دوبارہ فتوحات
کا سلسلہ شروع کیا ہیرالڈ ایگزیکٹو ڈپوس مشہور و معروف فرانسیسی ناولسٹ
کا بہترین ناول ہے۔ جس کی خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
لارڈ سالبری سابق وزیر اعظم انگلستان کا قول ہے کہ میں اس کو ہمیشہ
سسرالین رکھتا ہوں۔ اور تفکرات وزارت سے آرام حاصل کرنے
کے لئے ہمہ تن اس میں محو ہو جاتا ہوں۔ ہندوستان میں بھی اسکی بہت
قدر کی گئی ہے۔ اردو زبان میں اس کے مقابلے کا آج تک کوئی ناول
نہیں لکھا گیا۔ کیونکہ یہ ناول مولانا غلام قادر صاحب فصیح کے زور
قلم کا نتیجہ ہے۔ منگا کر لطف اٹھائیں قیمت فی حصہ عم مکمل حصہ
و دیگر تصانیف مولانا فصیح صاحب

۱۲	ظالم بادشاہ مظلوم رعایا	۸	ظالمانہ حکومت کا خاتمہ
۸	سفری بی بی	۱۰	جٹلمیں چور
۸	خونی وزیر	۱۲	زہر بلا صفت
۸	تاریخ اسلام ہر چار حصہ	۱۴	قیمت مکمل کتاب پانچ روپے

ملنے کا پتہ۔ لاہور رام داس بھائیہ بک ڈپو لوہاری وائے لاہور

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
کتاب بالوکر از ناتھ خورشید	۱۲	کتاب خانبخشیر	۱۲	موزخ کی ملکہ	۳
ناہک قومی غدار	۱۲	نظیر سیم	۱۲	غندوں کا گردہ	۳
پُرانا پانی	۱۲	حسرت	۱۲	بیسوا کا جال	۳
گور و گھنٹال	۱۲	گلبدن	۱۲	صندوق میں لاش	۳
چندر بار	۱۲	شیخ شہتال	۱۲	بے قصور خنی	۳
چندر گپت	۱۲	۵۱	۱۲	ساٹھ تین خلیں	۳
اندر جال	۱۲	۵۲	۱۲	بچے گناہ مجرم	۳
مایا	۱۲	۵۳	۱۲	صبح وطن	۳
زندگی میں موت	۱۲	۵۴	۱۲	مستقبل اسلام	۳
پاناک میں دم	۱۲	۵۵	۱۲	خونفک ہوئی سیر	۳
کتاب مولانا شمس	۱۲	۵۶	۱۲	کامل جاسوس	۳
فلور افلورڈا	۱۲	۵۷	۱۲	ایک رات میں ۵ خون	۳
حسن انجلینا	۱۰	۵۸	۱۲	خونفک سازش	۳
فردوس بریں	۶	۵۹	۱۲	بیوہ کا حال	۳
ملک العزیز و جانا	۶	۶۰	۱۲	حسین نازنین کاراز	۳
منور موہن	۶	۶۱	۱۲	ہنری گپک کی گرفت	۳
حسن بن صباح	۶	۶۲	۱۲	ڈاکوئیں کا گورکھ دھندا	۳
یوسف پاشا	۶	۶۳	۱۲	تحقیق الفسا	۳
سمیرا کا چاند	۶	۶۴	۱۲	جاسوسی جنگ	۳
آفتاب و شفق	۶	۶۵	۱۲	قاتل جاسوس اول	۳
		۶۶	۱۲	دوم	۳
		۶۷	۱۲	محصولہ ایک بزم خرید	۳

ملکنے کا: لالہ رام داس بھاٹیہ مالک بھاٹیہ ایک ڈپو۔ لاہور

$$\begin{array}{r} 4-8- \\ \times 6 \\ \hline 24 \end{array}$$

$$\begin{array}{r} 3 \\ 15 \overline{) 271} - 4 \\ \underline{15} \\ 11 \end{array}$$

$$1-11-0$$

$$\begin{array}{r} 3-4- \\ \times 5 \\ \hline 1-1-6 \\ 6 \end{array}$$

$$\begin{array}{r} 1-2-0 \\ 1-11-0 \\ \hline \end{array}$$

$$2-13$$

$$2-12$$

$$5-11$$

$$4-7$$

$$10-0$$

$$10-0-0$$

$$\begin{array}{r} 2-1 \\ 1-1 \\ \hline 9-13 \end{array}$$

$$9-11$$

$$21-3$$

$$2-13$$

$$4-13$$

$$5-0$$

